طلوع اسلام
جنوری ۱۹۵۸ء
Yusuf

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام کراچی

ٹیلی فون:- ۴۱۴۸۸	قیمت فی پرچہ	بدل اشتراک
خط وکتابت کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوعِ اسلام	ہندوستان و پاکستان سے	ہندوستان اور پاکستان سے سالانہ:- آٹھ روپے
۱۵۹/۳- پی۔ ای۔ سی۔ ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی	بارہ آنے	غیر ممالک سے:- ۱۴ شلنگ

نمبر ۱	جنوری سنہ ۱۹۵۸ء	جلد ۱۱

فہرست مضامین

لمعات		۲ــ۸
فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟	(محترم پرویز صاحب)	۹ــ۲۴
مجلس اقبال		۲۵ــ۳۶
فرنگ رہ گذر سیلِ بے پناہ میں ہے		۳۷ــ۴۱
حقائق و عبر		۴۲ــ۴۸
اسلام کی سرگزشت	(محترم احمد امین مصری)	۴۹ــ۵۵
قرآنی معاشرہ	(محترم عمر احمد صاحب عثمانی)	۵۷ــ۶۴
فہرست پیشکش برائے طباعت لغات القرآن		۶۵ــ۶۶
رسید کتب	(محترم پرویز صاحب)	۶۷ــ۶۸
نقد و نظر		۶۹ــ۷۳
رابطۂ باہمی		۷۴ــ۷۶
اشتہارات		۷۷ــ۸۰

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

لمعات

اقبال نے کہا تھا کہ

سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ طوفاں سے پار ہو گا

لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے ملت کی محکم اور پائیدار کشتی کو اس بری طرح ذاتی مفاد پرستیوں اور اقتدار پسندیوں کی تلاطم انگیز موجوں کے سپرد کیا ہے کہ کشاکش پیہم سے اس کا بند بند ڈھیلا ہو چکا ہے "قافلۂ مورِ ناتواں" سہمے ہوئے بیٹھا ہے کہ معلوم کب اس کے تختے الگ ہو جائیں کشتی کے سواروں کی تو یہ حالت ہے اور ناخدایانِ کشتی اس رسہ کشی میں مصروف ہیں کہ امیر البحر کون بنے اور قیادت کا منصب کس پارٹی کے ہاتھ میں آئے۔ یوں تو یہ کشتی ایک عرصہ سے حوالۂ گرداب تھی لیکن گذشتہ دو تین ماہ میں اسے جن امواجِ بلا کا سامنا کرنا پڑا انھوں نے تمام سابقہ طوفان انگیزیوں کو بھلا دیا۔ مسٹر سہروردی کی وزارت ٹوٹنے کے بعد منصبِ ناخدائی مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کی شرکت کے حصہ میں آیا اس بے جوڑ اختلاط کو دیکھ کر ہر لب تبسم آلود تھا کہ

یہ تماشا دکھلائے گا کیا سین پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

چنانچہ ابھی اسٹیج پوری طرح سجائی بھی نہ گئی تھی کہ پردہ اٹھ گیا اور دنیا بھر نے یہ تماشا دیکھا کہ یہ اکابرانِ ملت کس طرح بچوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے ہیں اس تماشے میں سب سے دلچسپ پہلو یہ تھا کہ جنگ تو تھی یہ خالص اقتدار پرستی کی لیکن لڑی جا رہی تھی اصول پرستی اور اسلام دوستی کی سپر کے پیچھے۔ اس باب میں مسلم لیگ کی پوزیشن سب سے زیادہ مضحکہ انگیز ہے۔ یہ حقیقت اب کسی دلیل اور شہادت کی محتاج نہیں کہ مسلم لیگ کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ تحریک پاکستان کے مزار کی متولی ہے۔ اس کے اپنے اندر کوئی خوبی باقی نہیں رہی اس کے پاس اپنی ہستی اور بڑائی کی سند ہے تو فقط اتنی کہ جس مزار کی جاروب کشی کی خدمت اس کے سپرد ہے وہ بڑی باعظمت اور باتوقیر ہے۔ چنانچہ موجودہ تنازع کی اس آخری جنگ میں بھی اس نے اسی سند کو آگے بڑھایا اور بڑی بلند آہنگی سے کہا کہ ہم اصول پرست ہیں اپنے نصب العین کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ جداگانہ انتخاب۔ دو قومی نظریہ کا مظہر۔ اسلام کی کشتی کا لنگر۔ تحریک پاکستان کی بنیاد اور ایک اسلامی مملکت کا نصب العین حیات ہے۔ لہٰذا ہم اس اصول کو کبھی ترک نہیں کر سکتے۔

طلوعِ اسلام آج سے نہیں ۱۹۳۸ء سے اس حقیقت کا مدعی اور قرآن کی اس تعلیم کا علمبردار ہے کہ اسلام میں قومیت کی تشکیل وطن

کی بنیادوں پر نہیں بلکہ آئیڈیالوجی کے اشتراک سے ہوتی ہے۔ لہٰذا تمام مسلم ایک ملت کے افراد ہیں اور جملہ غیر مسلم دوسری قوم کے فرد۔ اور جب مسلمان باقی اقوام سے ایک الگ قوم ہیں تو ان کے لئے مخلوط انتخاب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ مسلم لیگ نے جسے اس وقت جداگانہ انتخاب کا درد کسی پہلو چین نہیں لینے دیتا اس اصول کی کس حد تک پابندی کی؟ آئین پاکستان کی ترتیب و تدوین میں بیشتر حصہ اسی جماعت کا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس آئین کی بنیاد دو قومیت کے نظریہ پر ہے یا متحدہ قومیت کے تصور پر؟ یہ ظاہر ہے کہ اس آئین میں (سوائے ایک مقام کے جس میں صدر مملکت کے لئے مسلمان ہونے کی شرط رکھی گئی ہے) کسی جگہ بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کو الگ الگ قوم کی حیثیت نہیں دی گئی۔ اس آئین کی رو سے مجالس قانون ساز مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مخلوط شرکت سے مرتب ہونگی۔ غیر مسلم اراکین کو ہر مسئلہ میں، مسلمانوں کے ساتھ یکساں حق رائے دہندگی ہوگا۔ حتیٰ کہ صدر کے انتخاب میں (جس کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے) غیر مسلم شریک ہوں گے۔ یہ مجالس قوانین ساز، مملکت کے لئے قانون بنائیں گی۔ ان قوانین کے لئے یہ شرط عاید کی گئی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہونگے۔ لیکن یہ بھی خالص مسلمانوں کی جداگانہ آراء سے مرتب نہیں ہوں گے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مخلوط آراء سے پاس ہوں گے۔ مجالس قانون ساز سے آگے بڑھیئے تو وزارتوں کا سوال آتا ہے۔ مرکز اور صوبوں کی وزارتوں کے لئے بھی مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز و تفریق نہیں۔ یہ وزارتیں مخلوط ہوں گی حتیٰ کہ ایک غیر مسلم، مملکت کا وزیر اعظم بھی بن سکے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی وزارت کی تشکیل میں جو پارٹیاں متحد ہوں ان میں ترازو کسی غیر مسلم پارٹی کے ہاتھ میں ہو (عملاً مشرقی پاکستان میں اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے) یہ سب اس آئین کے اندر موجود ہے جو مسلم لیگی حکومت کا پاس کردہ ہے۔ اُس وقت، اس جماعت کو نہ دو قومی نظریہ یاد رہا۔ نہ پاکستان کے بنیادی تصور کا کچھ خیال۔ انھوں نے یہ آئین منظور کیا اور اسے اپنے کلاہ سیادت میں سرخاب کے پر کی طرح طرۂ افتخار بنا کر لئے لئے پھرے۔ اب جو سہروردی اور ڈاکٹر خان صاحب کے ہاتھوں پٹے تو پاکستان کا تصور اور اسلام کا بنیادی اصول یاد آ گیا۔ اور اپنی شکست خوردگی کو جداگانہ انتخاب کے مقدس نقاب میں چھپا کر شہیدوں کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جب ایوان حکومت اور مجلس قانون ساز کے ہال میں مسلمان اور غیر مسلم، ایک قوم کی حیثیت سے یکجا جمع ہوں گے تو اس سے کیا فرق پڑے گا کہ وہ کس دروازے سے اندر داخل ہوتے ہیں؟ گڑ کھائے گلگلوں سے پرہیز، اسے کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے (اور کس قدر تلخ حقیقت) کہ ہمارے ہاں اسلام کا تصور۔ پاکستان کا بنیادی تخیل۔ آئیڈیالوجی کا تحفظ۔ مملکت کا استحکام۔ اہل پاکستان کی بہبود۔ سب جال ہیں جنہیں ملک کی مختلف پارٹیوں کے شکاری اپنے اپنے کندھوں پر لئے لئے پھرتے ہیں۔ ان شکاریوں کے گروہوں میں پہلے ہی کچھ کمی نہ تھی کہ اب ان میں "تحریک استحکام پاکستان" کے نام سے ایک اور کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی داستانِ تخلیق و دعوت بڑی دلچسپ ہے۔

ہمارے ہاں ہو یہ رہا ہے کہ جب تک کوئی شخص تخت وزارت یا کرسیٔ حکومت پر متمکن رہتا ہے، پاکستان میں ہر طرح سے خیریت ہوتی ہے۔ اس کی ہر تقریر سے اور ہر بیان سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان زندگی کے ہر شعبہ میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب اقوامِ عالم کی قیادت اس کے حصہ میں آئے گی۔ لیکن جونہی یہ حضرت وزارت یا حکومت سے الگ کر دیئے جاتے ہیں، ان کا پہلا بیان یہ ہوتا ہے کہ ملک میں چاروں طرف تباہی اور بربادی پھیل چکی ہے زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں ہم تنزلت

ہیں نہیں گر چکے۔ اگر کچھ دنوں تک یہی حالت رہی تو ہماری آنکھیں وہ کچھ دیکھ لیں گی جسے زبان پر لانا بدشگونی سمجھا جاتا ہے۔ اس مرثیہ کے بعد مقطع کا بند یہ ہوتا ہے کہ اس تباہی سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ مجھے پھر اسی کرسی پر بٹھا دو جہاں سے مجھے اتارا تھا۔

تحریک استحکام کے بانی، چوہدری محمد علی صاحب، پاکستان میں آنے سے پہلے ہی، پاکستانی حکومت کے اندر موجود تھے۔ پاکستان آنے پر سیکرٹری جنرل کے منصب بلند پر فائز ہو گئے۔ مدتوں اس ذمہ دار عہدہ پر رہے۔ پھر فنانس منسٹر ہو گئے۔ اور اس کے بعد وزیر اعظم۔ اس تمام دوران میں، ان کی زبان اور قلم سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا جس سے یہ مترشح ہو کہ پاکستان میں کوئی خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان کیلئے مشکل تھا کہ حکومت کے اندر رہتے ہوئے اس پر تنقید کرتے۔ اگر یہ صورت تھی تو ایسی حکومت سے الگ ہو سکتے تھے جس کے متعلق یہ دیکھ رہے تھے کہ اس میں اس قدر خرابیاں ہیں۔ انہوں نے تو یہ بھی نہ کیا۔ اس وقت تک ہر طرح سے خیریت تھی لیکن جب وزارت عظمیٰ سے الگ ہو کر ایوان حکومت سے باہر نکلے تو انہیں بھی تمام پاکستان میں بربادی ہی بربادی نظر آنے لگ گئی۔ گویا

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور — نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

اس عبرت انگیز منظر کو دیکھ کر ان کے قلب و دماغ میں ٹیس اٹھی اور ایک نوحہ جگرسوز کی صورت میں نقشۂ پاکستان کے گرد رقص کر گئی۔ اس نوحہ کرب انگیز کے ایک دو بند ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہے۔

> ہم باشندگان پاکستان نے اپنے اللہ سے یہ عہد باندھا تھا کہ ہم اس سرزمین میں اسلامی جمہوریت قائم کریں گے۔ اس نے ہمیں غلامی کے شکنجے سے نجات دلا کر آزادی عطا فرمائی ...... اور ہم نے پاکستان حاصل کر لیا۔ لیکن ہم اس عہد کو پورا کرنے میں ناکام رہے۔ ہم اس اسلامی جمہوریت کے قیام سے کوسوں دور ہیں جس کی عمارت عدل عمرانی، بھائی چارے، اخوت، ضرورتمندوں کی حاجت براری اور بہبودیٔ عوام کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔

اس کے بعد خرابیوں کی فہرست ملاحظہ فرمایئے۔

> زراعت جو ہماری معاشیات کی ریڑھ کی ہڈی ہے، نہ صرف جامد ہے بلکہ روبہ انحطاط ہے...... صنعت و حرفت میں جو ترقی ہم نے کی ہے اگرچہ عوام کو اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ بے روزگاری عام ہو رہی ہے لاکھوں مہاجرین ابھی تک غیر آباد ہیں...... نظم و نسق حکومت کی مشینری ساکن ہو چکی ہے۔ ترقی کی رفتار بہت سست ہو گئی ہے۔ معاشی ارتقاء نیچے گرتے گرتے کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہے ...... اشیائے ضروریات کی قیمتیں اس قدر گراں ہو گئی ہیں کہ متوسط طبقہ مفلس اور قلاش ہوتا جا رہا ہے اور مفلس بیچارے تباہ حال ...... دولت بڑے بڑے زمینداروں اور کارخانہ داروں کے ہاں جمع ہو رہی ہے اور اسے ملک کی مرفہ الحالی کے کام میں صرف نہیں کیا جا رہا ...... پرائیویٹ اور پبلک اخلاق میں تباہ کن حد تک انحطاط واقع ہو چکا ہے۔ رشوت اور بد دیانتی عام ہو رہی ہے۔ دیانت اور امانت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل نے مصر کی غلامی سے نجات پا کر گوسالہ سامری کی پرستش شروع کر دی تھی ہم نے بھی دولت (لکشمی دیوی) کی پوجا شروع کر رکھی ہے۔ جاہ و منصب کے حصول کے لئے لوگ پاگل ہو رہے ہیں۔ اس افراتفری میں مملکت کے اہم ترین مسائل ...... مثلاً کشمیر کا مسئلہ اور پانی کا سوال۔ سب بھلائے جا چکے ہیں ...... ہماری تعلیم کا معیار پست ہے اور جس قدر تعداد میں ہم سائنسدان اور ماہرین صنعت و حرفت پیدا کر رہے ہیں وہ بہت ہی ناکافی ہے۔

اور آگے بڑھیئے۔ فرماتے ہیں

> صوبائی تعصب اور نسلی تفریق کے جذبات ابھر کر باہر آ گئے ہیں۔ یہ چیزیں "ون یونٹ" کو تباہ کر دیں گی۔ کمیونزم انقلاب انگیز رجحانات پھیلا رہی ہے اور لوگوں کے اس عقیدہ میں تزلزل پیدا کر رہی ہے کہ حصولِ مقصد کے لئے ہمیشہ جائز ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ یہ چیزیں تشتت و انتشار پیدا کر رہی ہیں ممد و معاون ہو رہی ہیں۔

اس کے بعد آپ متوقع ہوں گے کہ چوہدری صاحب فرمائیں گے کہ یہ خرابیاں ایک دن میں تو پیدا نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہ ان مختلف حکومتوں کے زمانے میں پیدا ہوتی اور آگے بڑھتی رہیں جو اس تمام دوران میں وقتاً فوقتاً متشکل ہوتی رہیں۔ اور چونکہ میں ان حکومتوں کے ساتھ مسلسل و متواتر شامل رہا۔ اس لئے میں ان خرابیوں کے لئے اپنے آپ کو برابر کا مجرم تصور کرتا اور جھکی ہوئی نگاہوں سے اپنے آپ کو قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ وہ اسکی جو سزا چاہے مجھے دے۔

لیکن یہ آپ کی بھول ہے خام خیالی ہے۔ ایسا کہنے والے جس مٹی سے بنتے ہیں وہ مٹی ہمارے ملک میں نہیں ملتی۔ چوہدری صاحب نے کہا ہے کہ ملک کو ان خرابیوں سے نکالنے کا کام بڑا مشکل ہے۔

> اس مقصد کے لئے ایک نئی قیادت کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی قیادت کی جو خود غرض نہ ہو۔ جو اپنے آپ کو عوام کی بہبود کے لئے وقف کر دے اور خدمت قومی کے لئے ہمہ تن مصروف ہے۔ وہ قیادت جو ایک طرف اقبال کے الفاظ میں ایک طرف اسلام کی روح اور تقدیر پر گہری نگاہ رکھے اور دوسری طرف عصر حاضر کے تاریخی تقاضوں کا بھی پورا پورا اندازہ کر سکے یہی وہ قیادت ہو جو ملت کی خوابیدہ تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کرے گی اور (قائد اعظم کے الفاظ میں) ملک کو اس عدل عمرانی اور اسلامک سوشلزم کی محکم بنیادوں پر استوار کرے گی جس کا مقصد نوع انسانی کی اخوت و مساوات ہے۔ (ٹائمز آف کراچی۔ ۲۳ دسمبر)

اس بلند مقصد کے حصول کے لئے بیشک ایسی ہی بلند قیادت کی ضرورت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آج ایسی قیادت ملے کہاں سے؟ آپ گھبرائیے نہیں، پریشان اور مایوس نہ ہوجئے۔ چوہدری صاحب اس کا بھی جواب دیتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ

> تحریک استحکام پاکستان کا نصب العین انہی مقاصد کا حصول ہے۔ تمام ارباب خیر کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اس تحریک میں شامل ہو جائیں اور اس کی کامیابی کے لئے کام کریں۔

تمہیں اس قیادت کے لئے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ جستجو اور تلاش کی حاجت نہیں۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اس کے لئے تمہیں صرف اپنے اندر دیکھنا ہوگا۔ اپنے اندر جھانکو اور دیکھو! وہ قیادت سامنے کھڑی ہے

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک!

ایسی قیادت کے برسر اقتدار لانے کا طریق کار بھی چنداں مشکل نہیں۔

مستقبل (کی بہبود) کے لئے امید کی کرن ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انتخابات جلد از جلد ہو جائیں۔ تاکہ لوگوں

کو اپنے صحیح نمائندے چننے کا موقع مل جائے۔

لیکن یہ علاج تجویز کرتے وقت چوہدری صاحب وہ اہم شرط بھول گئے جو انہوں نے چار ہی سطریں پہلے خود عاید کی ہے۔ یعنی۔

> جمہوریت اسی صورت میں صحیح طور پر عمل پیرا ہو سکتی ہے جب عوام کو اس امر کی تعلیم دی جائے کہ بہ حیثیت ایک شہری اور ووٹر کے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اور اس طرح وہ حق اور باطل (کھرے اور کھوٹے) میں تمیز کرنا سیکھ لیں۔

یہ ہے اصل نکتہ جسے چوہدری صاحب نے بیان تو کر دیا لیکن الیکشن کو جلد از جلد منعقد کرانے کی دُھن میں اسے صاف نظر انداز کر گئے۔ ہمارے جملہ امراض کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ہم نے قوم میں وہ فکری تبدیلی پیدا نہیں کی جس سے وہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنا سیکھ لے۔ چوہدری صاحب نے جو کچھ اپنے بیان میں کہا ہے اس میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو پہلے نہ کہی گئی ہو۔ یہ وہ طرحی غزل ہے جسے ہر وہ لیڈر جس سے اقتدار چھن گیا ہو، دہراتا رہا اور دہرا رہا ہے لیکن کرنے کا کام آج تک کسی نے نہیں کیا۔ یہ کام وہ شخص نہیں کر سکتا جسے خود برسر اقتدار آنے کی ہوس ہو۔ یہ کام سخت محنت۔ مسلسل جدوجہد۔ کوہ تمثال استقامت۔ اور اس کے ساتھ (اور یہ شرط بنیادی ہے) دل بے مدعا چاہتا ہے۔ یہ چیز پارٹی بازی سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پارٹی کے سامنے ہمیشہ اصل مقصد اپنا مفاد ہوتا ہے اور "خدمتِ عوام" وغیرہ سب اس مقصد کے حصول کے ذرائع۔ جس مقام پر وہ مقصد حاصل ہو جائے باقی سب کچھ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مقصد، افرادِ ملت کا فکری انقلاب ہو، تو انسان پیش افتادہ مفاد اور عاجلہ مصالح کے فریب میں آ کر کسی ہنگامی کامیابی اور نمائشی کامرانی سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ہم شروع سے کہتے چلے آتے ہیں، جب تک ملک میں پارٹیاں بنتی رہیں گی فکری انقلاب کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکے گی۔ فکری انقلاب کے معنی ہیں، قرآنی فکر و نظر پیدا کرنا۔ اس کے لئے ضرورت ہے خاموش، مسلسل اور بے لوث جدوجہد کی۔ اگر چوہدری صاحب واقعی ان کوتاہیوں اور لغزشوں کا کفارہ دینا چاہتے ہیں جو آٹھ، نو سال کے عرصہ میں ان حکومتوں سے سرزد ہوتی رہیں جن میں وہ بڑی ذمہ داری کے مقامات پر فائز تھے اور اس لئے ان جرائم میں ان کے برابر کے شریک، تو اس کے لئے صحیح طریق یہی ہے۔ نہ کہ آئندہ الیکشن کے لئے پارٹی بازی اور اس قسم کے بلند آہنگ دعاوی جنہیں ملک سن سن کر تنگ آ چکا ہے۔

چوہدری صاحب نے اپنی الگ پارٹی بنانے کے سلسلہ میں جو منشور شائع کیا ہے (اور جس کے کچھ اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں) اس کے سرعنوان سورۃ آل عمران کی یہ آیت درج کی گئی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳/۱۰۴)

پاکستان ٹائمز میں شائع شدہ بیان کے مطابق اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

تم میں ایک ایسی پارٹی ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف دعوت دے۔ معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

اس آیت سے چوہدری صاحب نے اپنی پارٹی کے لئے گویا قرآنی سند (یا دلیل) حاصل کی ہے۔ یہ تصور بوجوہ غلط ہے۔ قرآن کی رو سے امت مسلمہ پوری کی پوری ایک جماعت ہے۔ اس میں فرقے اور پارٹیوں کا وجود شرک ہے۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ. مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا..... (۳۰/۳۲) اس پر شاہد ہے۔ خود سورۂ آل عمران میں آیت (۳/۱۰۴) سے پہلی اور بعد کی آیت یہی کچھ کہہ رہی ہے۔ پہلی آیت یہ ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (۳/۱۰۳) تم سب کے سب ضابطۂ خداوندی سے متمسک رہو اور پارٹیوں میں مت بٹ جاؤ۔ اور بعد کی آیت میں ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا..... (۳/۱۰۵) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے پارٹیاں بنا ڈالیں اور باہمی اختلاف کرنے لگ گئے۔ سو ظاہر ہے کہ جب قرآن کریم آیۂ (۳/۱۰۴) سے پہلے اور بعد پارٹی سازی سے منع کر رہا ہے تو کیا وہ آیت (۳/۱۰۴) میں خود مسلمانوں سے یہ کہے گا کہ تمہارے اندر ایک پارٹی ایسی ہونی چاہیئے جو یہ کام کرے؟ ایسا ہو نہیں سکتا۔ قرآن نے خود ہی چار پانچ آیات آگے چل کر کہہ دیا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ...... (۳/۱۱۰)۔ تم بہترین امت ہو جو نوع انسانی کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم کرو اور منکر سے روکو۔ اس آیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر پوری کی پوری امت کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ نہ کہ امت کے اندر ایک پارٹی کا۔ آیت (۳/۱۰۴) میں مِنْكُمْ تبعیض کے لئے نہیں۔ تبیین کے لئے ہے۔ وہاں بھی مقصد یہی ہے کہ تمہارا یہ حیثیت امت یہ فریضہ ہے۔ نہ یہ کہ امت برائیوں میں مبتلا رہے اور واعظوں اور مبلغوں کی ایک پارٹی اُسے نیکی کی طرف بلاتی رہے۔

قرآن نے اُمّتِ محمدیہ کا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بتایا ہے۔ امر کے معنی حکم دینا۔ اور نہی کے معنی روکنا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکم دینا اور روک دینا وعظ و نصیحت سے نہیں ہوتا حکومت کے زور پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان آیات کے معنی یہ ہیں کہ

(۱) مسلمانوں کی اپنی حکومت ہونی چاہیئے۔

(۲) اس حکومت کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوگا۔ اور

(۳) یہ حکومت کسی ایک فرد یا ایک پارٹی کی نہیں ہوگی بلکہ پوری کی پوری امت کی حکومت ہوگی۔

یہ مفہوم کہ تم میں ایک پارٹی ایسی ہونی چاہیئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ اس دور کا پیدا کردہ ہے جب حکومت بادشاہوں نے سنبھال لی اور "مذہب" ارباب شریعت کے سپرد کر دیا گیا۔ ان کا کام لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا رہ گیا۔ یہ گروہ اپنی جداگانہ ہستی کے جواز اور اپنے فریضۂ وعظ و نصیحت کی تائید میں قرآن کی آیت (۳/۱۰۴) پیش کرتا تھا۔ اس طرح امت میں وعظ و نصیحت کرنے والوں کا الگ گروہ وجود میں آیا۔ اب اسی آیت سے چوہدری صاحب اپنی پارٹی کی تشکیل کی دلیل لا رہے ہیں۔

یاد رکھیئے۔ جب تک آپ پوری امت کو ایک جماعت۔ اس اُمت پر مشتمل حکومت۔ اور اُس حکومت کا فریضہ امر

بالمعروف ونہی عن المنکر قرار نہ دیں گے' دین کا تمکن اور قوم کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ پارٹیاں ایک چھوڑ ہزار بنا لیجئے۔ قوم کی تباہی بڑھتی چلی جائے گی۔ رسول اللہؐ نے امت بنائی تھی۔ امت میں پارٹیاں نہیں بنائی تھیں۔ اگر کہا جائے کہ جن حالات میں ہم آج گھرے ہوئے ہیں ان میں اصلاح کی شکل کیا اختیار کی جائے تو اس کا جواب وہی ہے جسے ہم پہلے گذارش کر چکے ہیں۔ یعنی اپنے سامنے کوئی مفاد خویش رکھے بغیر خاموشی سے قرآن کی تعلیم عام کرتے جائیے تاکہ قوم کے فکر و نظر میں صحیح انقلاب پیدا ہو جائے۔ اس پروگرام کا ایک بنیادی گوشہ یہ ہے کہ ہماری درسگاہوں (اسکول اور کالجز) کے نصاب تعلیم میں صحیح تبدیلی کی جائے ——— کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارا۔

تعلیم کے بدل جانے سے نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے اور زاویہ نگاہ بدل جانے سے خارج کی ساری دنیا بدل جاتی ہے ہمارے ہاں خدا کا دیا سب کچھ موجود ہے اور بڑی افراط سے موجود ہے۔ بس ایک نگاہ کا زاویہ بدلنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر آپ دیکھئے کہ یہ ساری خرابیاں جو اس وقت اس قدر سوہانِ روح ہو رہی ہیں کس طرح خود بخود دور ہو جاتی ہیں

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اس "نم" سے مقصود نگاہ کی تبدیلی ہے۔

اسلام میں قانون سازی کا اصول

اس میں پاکستان کے علاوہ بعض دیگر ممالک اسلامیہ کے بلند پایہ مفکرین کے افکار کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں قانون شریعت کا کام کس نہج پر ہونا چاہیئے۔

یہ کتاب وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ آپ اپنا نسخہ فوراً منگا لیجئے۔

قیمت فی جلد مجلد دو روپے آٹھ آنے۔ غیر مجلد دو روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (۳/۱۰۳)

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

ایک اہم اور پریشان کن سوال کا اطمینان بخش جواب

پرویز

شائع کردہ

ادارۂ طلوعِ اسلام، کراچی

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

پرویز

قرآن نے دین کو مکمل کر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے کہدیا کہ تمہارا شعارِ زندگی اب یہ ہو کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (۳/۱۰۳) تم سب کے سب ملکر اس ضابطۂ خداوندی کو محکم طور پر تھامے رہو اور ٹکڑے ٹکڑے مت ہو جاؤ۔ یہ ہے دین کا اصل الاصول۔ اسی میں تمہاری فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے اور اسی سے خود دین کا (یعنی اس نظام زندگی کا جو تمہارے لئے تجویز کیا گیا ہے) قیام تمکن اور استحکام وابستہ ہو۔ اس آیۂ جلیلہ کے مختلف الفاظ پر غور کیجئے۔ حقیقت ابھر کر سامنے آ جائے گی۔ سب سے پہلے یہ کہ حَبْلُ اللّٰهِ۔ ایک ہی ایک سے زیادہ نہیں۔ دین کا ضابطہ قرآن ہے اور یہی وہ عُرْوَةِ الْوُثْقٰى (۲/۲۵۶) وہ محکم سہارا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ (لَا انْفِصَامَ لَهَا) کبھی دغا نہیں دے سکتا۔ جو ہر زمانہ میں، ہر مقام پر، تمام نوعِ انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہو۔ ذہن انسانی کے وضع کردہ نظامہائے زندگی زمانے کے تقاضوں کے بدلنے سے ٹوٹتے اور بنتے، بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں ـــ زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل ـــ لیکن یہ ضابطۂ خداوندی زمان اور مکان کی نسبتوں سے بلند اور حدود و قیود کے امتیازات سے ماوراء ہے۔ اس کے اصول زندگی کی مستقل اقدار ہیں جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (۱۰/۶۴)

دین اجتماعی ہے

(۲) وَاعْتَصِمُوْا میں جمع کے صیغے (تم سب) اور جَمِيْعًا کی تخصیص سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دین، خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے۔ اپنے اپنے انداز سے "گیان دھیان" کے ذریعے خدا سے لو لگائے اور اس طرح اپنی "مکتی" (نجات) کا سامان پیدا کرے۔ دین، اجتماعی نظام زندگی کا نام ہے جس میں تمام افراد ایک ناقابلِ تقسیم وحدت کی حیثیت سے رہتے اور ایک طریق پر چلتے ہیں نیز ان کی وجہ جامعیت بھی دین کا اشتراک ہے۔ اسی سے یہ سب ایک امت بنتے ہیں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (۲/۱۴۳)

(۳) جَمِيْعًا نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ اس دین کے مطابق زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری کی پوری امت ایک ہی طریق پر چل رہی ہو۔ اگر اس میں مختلف گروہ پیدا ہو گئے اور ہر گروہ نے ایک جداگانہ طریق کی پیروی اختیار کر لی تو یہ دین باقی نہیں رہ سکتا۔ لَا تَفَرَّقُوْا کے حکم نے اس حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا میں امر (حکم) تھا یعنی یہ کرو۔ اور لَا تَفَرَّقُوْا میں نہی ہے (کہ یوں نہ کرو)۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس بات کو امر و نہی۔ مثبت اور منفی کی حدود میں گھیر کر بیان کیا جائے

اس میں نہ کسی شک شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ مزید تاکید و تائید کی ضرورت۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ایک جامع اصولِ زندگی ہے جس میں کسی اختلاف یا استثنار کی قطعاً گنجائش نہیں۔

یہ کوئی نیا اصول نہیں

(۲) قرآن نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ کوئی نیا اصولِ زندگی نہیں جو تمہیں پہلی بار دیا جا رہا ہے۔ یہی اصول ہے جو پہلے دن سے آج تک ہر نبی کی وساطت سے دیا جا رہا ہے۔ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی۔ اللہ نے اسی دین (نظامِ زندگی) کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا۔ وہی دین اب تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اسی کا حکم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا تھا۔

یہ حکم کیا تھا؟ یہی کہ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ (۴۲/۱۳) تم سب اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا کرنا یہی وہ دین کی وحدت اور تفرقہ سے اجتناب تھا جس سے تمام انبیائے کرامؑ (زمان اور مکان کے اس قدر بُعد اور اختلاف کے باوجود) ایک "امتِ واحدہ" بن گئے تھے۔ وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ (۲۳/۵۲ نیز ۲۱/۹۲) اے گروہِ انبیاء! یہ تمہاری

امتِ واحدہ

جماعت امتِ واحدہ ہے۔ تمہاری وجہِ جامعیت یہ ہے کہ میں تم سب کا نشو و نما دینے والا ہوں۔ لہٰذا تم صرف میرے قوانین کی نگہداشت کرنا۔ یہاں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا کہ امت کی وحدت ضابطۂ زندگی اور قانونِ حیات کی وحدت پر مبنی ہوتی ہے۔ جب تک دین ایک رہیگا امت بھی ایک رہیگی۔ یا جب تک امت ایک ہوگی، اس کا دین بھی ایک ہوگا جب امت میں تفرقہ پڑ جائے گا تو دین بھی ایک نہیں رہے گا۔ الگ الگ ہو جائے گا۔ اور چونکہ دین ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس لئے "الگ الگ دین" کے معنی یہ ہیں کہ اصل دین کہیں باقی نہیں رہا۔

(۳) کسی امت (قوم۔ جماعت) میں تفرقہ پیدا کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے جسے خدا نے سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ کچھ دنوں کے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو ہارونؑ کی زیرِ نگرانی چھوڑ جاتے ہیں جب آپ واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قوم نے گوسالہ پرستی اختیار کر رکھی ہے اس کا جو اثر حضرت موسیٰ کی طبیعت پر ہو سکتا تھا ظاہر ہے کہ وہ غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے پوچھتے ہیں کہ مَا مَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَھُمْ ضَلُّوْٓا (۲۰/۹۲) جب تم نے دیکھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں، تو وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے تم نے انھیں (اس روش سے) روکا نہیں؟ اب سنئے کہ حضرت ہارونؑ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہارونؑ بھی خدا کے رسول ہیں۔ عام آدمی نہیں ہیں۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ

شرک سے بھی بڑھ کر

قَوْلِیْ (۲۰/۹۴) "مجھے یہ اندیشہ گذرا کہ تو آکر یہ نہ کہدے کہ اے ہارون، تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلہ کا بھی انتظار نہ کیا؟" آپ نے سوچا برادران! کہ یہ بات کیا ہوئی؟ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ "یہ لوگ جہالت کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے "مورتی کی پوجا کرنے لگ گئے تھے" تو میرے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا جتنا بڑا جرم ان میں تفرقہ پیدا کر دینا تھا۔ یہ جواب ایک نبی کی طرف سے دیا جاتا ہے اور دوسرا نبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ذرا آگے چل کر بتایا جائیگا" قرآن نے خود فرقہ بندی (تفرقہ) کو شرک قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ گوسالہ پرستی بھی شرک تھی اور تفرقہ انگیزی بھی شرک۔ لیکن تفرقہ انگیزی کا شرک ایسا شدید اور سنگین تھا کہ

اس سے بچنے کے لئے گوسالہ پرستی کے شرک کو روا رکھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن اس پر شاہد ہے کہ گوسالہ پرستی کے جرم کا ازالہ ایک توبہ سے ہو گیا (فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ ۲/۵۴)۔ لیکن جب انہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح امت واحدہ کی بجائے مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے (وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا۔ ۷/۱۶۸) تو ان پر تباہی اور بربادی، ذلت و خواری، محرومی و محتاجی کا ایسا عذاب مسلط ہو گیا جو ہر جگہ سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا (۳/۱۱۱)

(۳) جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، ہر رسول کا پیغام یہ تھا کہ "دین کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ مت پیدا کرو"۔ ہر رسول اس پیغام کے ذریعے ایک جماعت۔ ایک امت متشکل کر کے جاتا۔ اسکی امت کچھ وقت تک تو متحد رہتی لیکن اس کے بعد اس میں گروہ بندیاں اور فرقہ سازیاں شروع ہو جاتیں۔ یہ کیوں ہوتا؟ قرآن اسکی وجہ یہ بتاتا ہے کہ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (۴۲/۱۴)۔ یعنی خدا کی طرف سے اَلْعِلْمُ (وحی) آ جانے کے بعد جس کا مقصد تمام اختلافات کو مٹا دینا ہے، باہمی تفرقہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن اس وحی کے وارث، باہمی ضد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کے جذبہ کی وجہ سے مختلف فرقے بنا لیتے۔ یعنی اس گروہ بندی اور فرقہ سازی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں دین کی کسی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی تھی۔ کوئی شے مشتبہ اور مبہم رہ جاتی تھی۔ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے علم میں اشتباہ و ابہام کا کیا کام؟ یہ فرقہ سازی محض ہوس اقتدار کی تسکین کے لئے ہوتی تھی۔ ان میں سے جن لوگوں کے دل میں لیڈر بننے کا شوق چراتا وہ اپنا فرقہ الگ بنا لیتے۔ پھر ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے آگے نکل جانا اور اس پر غالب آ جانا چاہتا۔ اس سے باہمی کشمکش اور سر پھٹول شروع ہو جاتا اور یوں اس امت واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ اور اس کے ساتھ ہی دین بھی اس تشتت و افتراق کے پردوں میں گم ہو جاتا۔ اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آ گئی کہ فرقہ بندی علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی بنا پر وجود میں نہیں آتی۔ اسکی بنیاد جذبات پر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے فرقہ کے برسر حق ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں، اور وہ کونسا جذباتی فیصلہ ہے جسکی تائید میں عقل، فسوں ساز دلائل مہیا نہیں کر دیتی؟

فرقہ سازی کا جذبۂ محرکہ

(۴) نزول قرآن کے وقت دنیائے مذاہب کی یہی کیفیت تھی (واضح رہے کہ دین تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب فرقہ بندی میں اسکے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں مذاہب کہا جاتا ہے)۔ قرآن نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر خدا کا دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک امت واحدہ میں تبدیل کر دیگا۔ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ (اے رسول) تجھ پر یہ کتاب صرف اسلئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلاف کرتے ہیں تو ان کی وضاحت کر دے۔ اسکے بعد جو لوگ اس دین واحد کی صداقت کو تسلیم کر لیں گے، یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کریگی اور اس طرح ان کیلئے موجب رحمت بن جائیگی وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۶/۶۴)۔ یعنی بیان حقیقت تو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہوگی لیکن ہدایت اور رحمت صرف انہی کے لئے ہوگی جو اسکی صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔

نزول قرآن کا مقصد

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ قرآن کا مقصد وحید اختلافات کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلافات کا مٹ جانا خدا کی رحمت ہے۔ اسی نقطہ کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ اگر یہ مقصود ہوتا کہ

تمام انسانوں کو مجبور کر کے ایک راستے پر چلایا جائے تو خدا کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ اس نے جس طرح دیگر حیوانات کو اس انداز سے پیدا کیا ہے کہ ہر نوع کا فرد اپنی نوع اور جماعت کے ساتھ رہتا ہے۔ اس سے کبھی اختلاف نہیں کرتا۔ (مثلاً تمام بھیڑیں ایک نہج سے زندگی گذارتی ہیں۔ اور تمام شیر ایک ہی راستے پر چلتے ہیں) اسی طرح وہ انسانوں کو بھی جبلّی طور پر ایک ہی راستے پر چلنے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسانوں کو فکر و عمل

علیٰ وجہ البصیرت وحدت

کی آزادی دے رکھی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چاہیں تو اتحاد اور اتفاق کی زندگی بسر کریں اور چاہیں تو تشتت و افتراق پیدا کر لیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں بتا دیا گیا ہے کہ تشتت و افتراق کی زندگی عذاب کی زندگی ہے اور ایک امت بن کر رہنے کی زندگی رحمت اور سعادت کی زندگی۔ لیکن یہ وحدت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی اور قائم رہ سکتی ہے کہ تم اپنے دل کی رضامندی سے اور علیٰ وجہ البصیرت خدا کی کتاب کو اپنا ضابطۂ حیات بنالو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم نے زندگی کے مقصد کو پالیا۔ چنانچہ جو آیت اوپر درج کی گئی ہے اس کا اگلا حصہ یہ ہے کہ وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ۔ ان لوگوں کے سوا جو وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خدا کی رحمت کے سزاوار بن جائیں۔ باقی سب ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے۔ حالانکہ انہیں پیدا اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ (اپنی رضا و رغبت سے) امت واحدہ بن کر رہیں وَلِذٰلِکَ خَلَقَہُمْ (۲

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ

(۱) مقصود تخلیقِ انسانی یہ ہے کہ تمام انسان ایک امت (ایک عالمگیر برادری) بن کر رہیں اور باہمی اختلافات پیدا نہ کریں۔

(۲) یہ اختلافات صرف وحیٔ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے مٹ سکیں گے۔ یہ زندگی رحمت کی زندگی ہے۔

(۳) جو لوگ وحی کے مطابق زندگی بسر نہیں کریں گے ان کے اختلافات مٹ نہیں سکیں گے یہ عذاب کی زندگی ہوگی۔

تفرقہ مت پیدا کرلینا

(۵) ان حقائق کی وضاحت کے بعد مسلمانوں سے کہا گیا کہ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ۔ دیکھنا! تم بھی کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح حقائق مل جانے کے بعد فرقے بنالئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے وَاُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۳/۱۰۴) یہ لوگ جو فرقوں میں بٹ جاتے ہیں اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جاتے ہیں، ان پر سخت عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کی دو آیات میں قرآن نے بتایا ہے کہ اختلاف اور تفرقہ کی زندگی درحقیقت ایمان کے بعد کفر کی زندگی ہے، اور روسیاہی کا موجب۔ اس کے برعکس، وحدت و ائتلاف کی زندگی سے سرخروئی نصیب ہوتی ہے اور خدا کی رحمت۔ (یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ (۳/۱۰۵-۱۰۶)

ان آیات سے بھی ظاہر ہے کہ فرقہ بندی اور باہمی اختلاف کی زندگی لعنت اور عذاب کی زندگی ہے اور خدا کی رحمت صرف ان پر ہوتی ہے جو ایک امت بن کر رہتے اور اختلافات سے بچتے ہیں۔

ضمناً یہ بھی دیکھئے کہ قرآن نے اختلاف اور افتراق کا نتیجہ عذاب عظیم بتایا ہے۔ عظیم کا لفظ جس باب سے آیا ہے اس میں دوام اور استمرار کا پہلو مضمر ہوتا ہے یعنی یہ عذاب وقتی اور ہنگامی نہیں ہوگا بلکہ استمراری اور دوامی ہوگا۔ جب تک فرقہ بندی رہیگی یہ عذاب بھی مسلط رہے گا۔

فرقہ بندی شرک ہے

(۶) قرآن نے اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں سے کہدیا کہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ. دیکھنا! کہیں تم توحید پرست ہوجانے کے بعد پھر سے مشرک نہ بن جانا!!

یہ چیز بڑی تحیّر انگیز اور (بظاہر) ناقابلِ فہم تھی کہ مسلمان، ایک خدا پر ایمان لانے کے بعد پھر مشرک کس طرح بن سکتے ہیں؟ کیا یہ بتوں کو پوجنا شروع کردیں گے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں. شرک بتوں کی ہی پرستش نہیں. جیسا کہ ہم بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے قصے میں دیکھ آئے ہیں. بت پرستی تو شرکِ خفی (کم درجے کا شرک) ہے. شرکِ جلی اور ہے. اس کی وضاحت میں بتا دیا کہ شرک ہوجانے سے مطلب یہ ہے کہ (وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ) مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا. یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہوجانا جنھوں نے اپنے دین میں فرقہ ڈال دیا اور فرقے بن گئے. اس فرقہ بندی سے ہوتا ہے کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۰/۳۱-۳۲) ہر فرقہ اس خیال میں مگن رہتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور باقی فرقے باطل پر ہیں. فرقہ پرستی کی یہ ایسی نفسیات ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر وقت کرسکتے ہیں. اس آیت میں كُلُّ حِزْبٍ کے ٹکڑے کو خاص طور پر ذہن میں رکھئے کیونکہ یہ ایک اہم حقیقت کا پردہ کشا ہے جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا.

بہرحال قرآن نے امتِ واحدہ سے کھلے کھلے الفاظ میں کہدیا کہ اگر تم نے دین میں فرقے پیدا کرلئے تو یہ توحید نہیں شرک ہوگا. اور کوئی فرقہ یہ کہکر اس سے بری الذمہ نہ ہوسکیگا کہ ہم اصلی اور حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور دوسرے فرقے باطل ہیں. اسی بنا پر رسول اللہ سے کہہ دیا گیا کہ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (۶/۱۶۰) جو لوگ اپنے

فرقہ سازوں سے رسول کا کوئی تعلق نہیں

دین میں تفرقہ پیدا کردیں اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں، اے رسول! تجھے ان سے کوئی تعلق نہیں. یعنی فرقے بنانے والوں سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے (کیونکہ وہ توحید پرست نہیں رہتے مشرک ہوجاتے ہیں) اور نہ ہی خدا کے رسول کا ان سے کوئی واسطہ. کیونکہ رسول نے تو ایک دین قائم کیا اور ایک امت بنائی تھی. یہ الگ امت بنا لینے والے، درحقیقت ایک متوازی دین (نظامِ زندگی) کے حامل ہوگئے. اس لئے انہیں رسول سے کیا تعلق؟

اس مقام پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ نے ایک امت بنائی جو دینِ حقہ پر قائم تھی. اس امت میں سے ایک فرقہ نکل کر الگ ہوگیا. اب ظاہر ہے کہ یہ نیا فرقہ شرک کے جرم کا مرتکب اور باطل پرست ہے. بقیہ امت جو اپنے مسلک پر قائم ہے اسے ایک فرقہ ٹھہرا کر اسی جرم کا مرتکب قرار دیدینا تو کسی صورت میں درست نہیں ہوسکتا؟ یہ اعتراض اہم ہے لیکن اس کا جواب. یا اس مشکل کا حل. ذرا آگے چل کر سامنے آئے گا.

صلوٰۃ وجہ جامعیت

(۷) سورۂ روم کی جس آیت میں کہا گیا ہے کہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ...... اس سے پہلے ہے وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ. صلوٰۃ کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہوجاؤ. یعنی ان میں سے جنھوں نے دین میں فرقے پیدا کرلئے. اس سے ظاہر ہے کہ دین میں نظامِ صلوٰۃ وہ بنیادی حقیقت ہے کہ جب تک یہ قائم ہے، فرقے نہیں بن سکتے. یہی وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ جب انبیاء کے جانے کے بعد ان کی امت فرقوں میں بٹ جاتی ہے تو وہ حقیقتِ صلوٰۃ کو ضائع کردیتی ہے اور اپنے اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاتی ہے. فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ (۱۹/۵۹) اس کی زندہ شہادت خود ہماری اپنی حالت ہے ہماری کیفیت یہ ہے کہ وہی صلوٰۃ جسے قرآن نے وحدتِ امت کا محکم ذریعہ بتایا تھا، آج مختلف فرقوں کی تمیز و تفریق کی علامت بن گئی ہے. چنانچہ

اگر آپ یہ دیکھنا ہو کہ فلاں شخص کس فرقے سے متعلق ہے تو یہ دیکھو کہ وہ نماز کس طرح پڑھتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب طلوع اسلام کے خلاف اسکے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یہ ایک نیا فرقہ ہے تو انھیں اپنے اس دعویٰ کی تائید میں یہ الزام بھی تراشنا پڑا کہ یہ لوگ تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا انھوں نے ثابت یہ کرنا چاہا کہ چونکہ ان کی نماز اور فرقوں سے مختلف ہے اس لئے یہ ایک نیا فرقہ ہے حالانکہ یہ سب بہتان تراشی اور افتراپردازی تھی۔ نہ طلوع اسلام کوئی الگ نماز تجویز کرتا ہے۔ نہ الگ فرقہ بناتا ہے۔ جس کے نزدیک فرقہ سازی شرک ہو وہ بھلا خود فرقہ کیسے بن جائے گا!

بہرحال یہ تو جملہ معترضہ تھا ہم کہہ یہ رہے تھے کہ قرآن نے صلوٰۃ کو امت واحدہ کے لئے وجہ جامعیت قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب خود رسول اللہ کے زمانے میں بعض تفرقہ انگیزوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کی تو قرآن نے جس شدت سے اسکی مخالفت کی اس کا اندازہ سورۂ توبہ کی متعلقہ

مسجد ضرار

آیات سے لگ سکتا ہے۔ سنئے اور غور سے سنئے کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا۔ جن لوگوں نے اس غرض سے مسجد تعمیر کی کہ اس سے ملت اسلامیہ اور خود دین کو نقصان پہنچایا جائے۔ وَكُفْرًا۔ اور کفر کی حمایت کی جائے یا کفر کی روش اختیار کی جائے وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی اس غرض سے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا جائے۔ تم اس مسجد کو مسجد سمجھتے ہو؟ یہ مسجد نہیں۔ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ۔ یہ وہ کمین گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ شخص جو اس سے پہلے خدا اور رسول (نظام خداوندی) کا دشمن تھا، ملت پر تیر اندازی کریگا۔ یعنی یہ مسجد نہیں۔ یہ وہ قلعہ ہے جس کے اندر خدا اور رسول کے دشمن پناہ لے کر دین کے قصر رشید کو منہدم کرنے کی مذموم کوشش کریں گے۔ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ۔ یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اس مسجد کی تعمیر سے ہمارا ارادہ بجز بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ ہم دین کی تخریب تھوڑا چاہتے ہیں! وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ تم ان کی باتوں میں نہ آجانا۔ خدا گواہ ہے کہ یہ یکسر جھوٹے ہیں۔ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا۔ اے رسول، تم اس مسجد میں ایک قدم بھی نہ رکھنا۔ یہ مسجد تو یوں سمجھئے کہ دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہے جس نے اسے بنایا ہے اور جو اس میں داخل ہوگا یہ ان سب کو لے کر جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گریگی ($\frac{9}{107-109}$)۔ چنانچہ تاریخ اسکی شہادت دیتی ہے کہ رسول اللہ نے صحابہ کو بھیج کر اس مسجد کو منہدم کرا دیا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیے برادران! کہ اسلام میں فرقہ بندی کس قدر شدید اور سنگین جرم ہے کہ دادر تو ادر، اگر کسی مسجد کی تعمیر سے بھی فرقہ بندی کی جھلک پڑتی ہے تو اس مسجد کا گرا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مسجد گرائی جاسکتی ہے لیکن فرقہ کی طرح نہیں پڑنے دی جاسکتی۔ کیونکہ فرقہ بندی بہ نص صریح شرک ہے۔ اور شرک جلی۔

———x———

امت واحدہ کی تشکیل

(۸) یہ تھیں برادران! وہ کھلی کھلی ہدایات جو وحدت امت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو دی گئیں۔ انہی ہدایات کی بنا پر نبی اکرمؐ نے امت واحدہ کی تشکیل فرمائی۔ یہ وہ امت تھی جس کا نظام ایک تھا، ضابطۂ زندگی ایک تھا، مرکز ایک تھا۔ دین ایک تھا۔ بات ایک تھی۔ نصب العین ایک تھا۔ ان میں نہ کسی قسم کا اختلاف تھا نہ افتراق۔ یہی تھی وہ جماعت جس کے متعلق خدا نے کہا کہ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ($\frac{3}{102}$)۔ اللہ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا اور دین کے

ذریعہ انھیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔

اس کے بعد اس امت پر کیا گذری؟ یہ ایک حدیث ہے دلخراش اور داستان ہے جگر سوز۔ اس کے لئے تفصیل میں گئے بغیر قرآن کے الفاظ میں صرف اتنا سن لیجئے کہ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (۴۲/۱۴)۔ جس طرح امم سابقہ نے دین کے علم جاننے کے بعد باہمی ضد اور سرکشی کے جذبے سے دین میں فرقے بنا ڈالے تھے یہ بھی فرقوں میں بٹ گئے۔ قرآن کے اس قدر واضح، بین اور صریح احکام وہدایات، تنبیہات وتاکیدات کی موجودگی میں، امت کا فرقوں میں بٹ جانا یقیناً ایک تحیر انگیز واقعہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ امت فرقوں میں بٹی اور یہ فرقے اب تک موجود ہیں۔ اس مقام پر رہ کر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ فرقوں میں بٹنے والے لوگ اپنی اس

اختلاف امتی رحمۃ

روش کے جواز میں بالآخر کوئی تو دلیل پیش کرتے ہی ہوں گے؟ جی ہاں! وہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ غور سے سنئے کہ وہ دلیل کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ۔ (میری امت میں اختلاف رحمت ہے) آپ نے سوچا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ یعنی وہی اختلاف جس کے متعلق قرآن نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ خدا کا عذاب ہے، باعثِ کفر ہے، شرک ہے۔ اسی اختلاف کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ نے اسے باعثِ رحمت قرار دیا ہے! جو شخص ذرا بھی قرآنی تعلیم سے مس رکھتا ہو، وہ بلا ادنیٰ تامل کہہ دے گا کہ عربی زبان کا یہ فقرہ کبھی رسول اللہ کا ارشاد نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا ہو گا۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا ایک چیز کو عذاب قرار دے اور اس کا رسول اسے رحمت بتائے۔ لیکن آپ یہ کچھ کہتے رہئے۔ فرقہ پرست اپنی بات پر اڑے رہیں گے کہ نہیں رسول اللہ نے ایسا فرمایا اور ضرور فرمایا تھا۔ یہ محض اس لئے کہ اگر فقرے کو حدیث رسول اللہ قرار نہ دیا جائے تو پھر فرقہ بندی کے لئے جواز کی راہ کوئی نہیں رہ جاتی۔ لیکن وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ جو لوگ حقیقت کو طوعاً (بطیب خاطر) نہیں مانتے حقیقت اُن سے اپنے آپ کو کرہاً (مجبوراً) منوا لیتی ہے، اس کی شہادت حال ہی میں ہمارے سامنے آئی ہے۔ ہوا یہ کہ مرزائیوں کے خلاف یہ اعتراض کیا گیا کہ انھوں نے ایک نیا فرقہ بنا کر امت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اگر ہمارے کسی عمل سے امت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو امت کو اس کے لئے ہمارا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ نہ کہ شکوہ سنج۔ اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ۔ ہمارا یہ نیا فرقہ امت کے لئے مزید رحمتوں کا باعث ہے۔

یہ حدیث نہیں

آپ سوچئے برادران! کہ ان کے اس جواب کا جواب الجواب کیا ہو سکتا تھا؟ اس کے جواب میں (جمعیت اہل حدیث کے ترجمان "الاعتصام" کو) مجبوراً کہنا پڑا کہ اختلاف امتی رحمۃ کوئی حدیث ہی نہیں۔ اس لئے اسے سند میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن برادران! اب اس فقرے کو حدیث نہ قرار دینے سے کیا حاصل؟ اس نے جس قدر تباہی مچانی تھی اس ایک ہزار برس میں مچا دی۔ اس نے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ انھیں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے مستقل جنگ وجدال کا سامان پیدا کر دیا۔ اس نے ان کی سلطنتیں تباہ کر دیں۔ ان کی شوکت وعظمت کو برباد کر دیا۔ ان کی دنیا اور عاقبت دونوں خراب کر دیں۔ ایسی عظیم ہلاکتوں اور تباہیوں کے بعد اگر اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ یہ فرمانِ رسولؐ نہیں ہے تو اس سے اُن نقصانات کی تلافی کیا ہو گی؟ اس قسم کی ہیں برادران! وہ وضعی حدیثیں جن کے متعلق طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہیں اور جس جرم کی پاداش میں اسے گردن زنی اور کشتنی قرار دیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ چیز ملاحظہ کیجئے۔ ان حضرات کو خود تسلیم ہے کہ (مثلاً) یہ حدیث وضعی ہے۔ طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ اسے اسلام

کے دشمنوں نے وضع کیا ہوگا۔ (اسی کا نام عجمی سازش ہے) اس پر یہ حضرات برافروختہ ہوجاتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک اس قسم کی حدیثیں غیروں نے نہیں وضع کیں، خود اپنوں نے وضع کی تھیں! اور اس کے بعد طلوع اسلام پر یہ الزام عاید کیا جاتا ہے کہ یہ اسلاف کی عزت نہیں کرتا۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اسلاف کی عزت طلوع اسلام نہیں کرتا (جو انہیں اس قسم کے الزامات سے بری سمجھتا ہے) یا یہ حضرات نہیں کرتے (جو انہیں ان الزامات سے بچنے نہیں دیتے) ؟

بہرحال، یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ فرقہ بندی کے جواز میں اختلاف امتی رحمۃ کو بطور دلیل پیش کیا گیا۔ لیکن اس میں ایک سقم تھا اور وہ یہ کہ اس کی رُو سے تمام فرقے موجب رحمت، فلہٰذہ حق پر قرار پا جاتے تھے۔ اور فرقہ بندی اسے کبھی گوارا ہی نہیں کر سکتی کہ ہر فرقہ کو بجا سمجھا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ایک اور حدیث وضع کی گئی جس میں کہا گیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے

تہتر فرقے

ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ باقی سب جہنمی ہوں گے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اس میں "ایک فرقہ" کی استثناء نے کس طرح ہر فرقہ کو مطمئن کر دیا کہ وہ برسرِ حق ہے اور باقی سب باطل پر ہیں۔ قرآن نے فرقوں کے متعلق کہا تھا کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ ہر فرقہ اس زعم باطل میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یعنی قرآن نے كُلُّ حِزْبٍ (تمام فرقے) کہہ کر اس چور دروازے کو بند کر دیا جس کے راستے فرقہ پرستی کا جھوٹا اطمینان داخل ہو سکتا تھا۔ لیکن اس وضعی روایت نے "ایک فرقہ کی استثناء" سے اُس دروازے کو چوپٹ کھول دیا۔ چنانچہ ہماری ہزار سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسی استثناء کی آڑ میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے فرقوں کو جہنمی قرار دینے کے "جہادِ عظیم" میں مصروف چلا آ رہا ہے اور ان کے خون کے چھینٹوں کو اپنے لئے وجہ سرخروئی سمجھ رہا ہے۔ چنانچہ خود ہمارے ہاں آجکل جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس داستانِ رنگیں کی زندہ شہادت ہے۔ علاوہ ان فسادات کے جو اجتماعی حیثیت سے مختلف فرقوں میں برپا ہوتے رہتے ہیں، آئے دن اس قسم کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ فلاں مقام پر فلاں فرقہ کے متبعین نے فلاں فرقہ کے امام کو قتل کر دیا اور فلاں مقام پر فریق مخالف کے خطیب کو مار دیا گیا۔ یہ اس امت کے "دیندار" طبقہ کا حال ہے جسے بنصِ صریح بتایا گیا تھا کہ

مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۴/۹۳﴾

جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی۔ اور اس کیلئے اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

———x———

ہمارے یہ فرقے اب تک مسجدوں کی چار دیواری یا مناظرہ کے میدانوں تک محدود تھے اور اس قسم کی آوازیں بہرحال سننے میں آتی رہتی تھیں کہ فرقہ بندی بڑے نقصان کا باعث ہے۔ مسلمانوں کو باہمی اتحاد اور اتفاق سے رہنا چاہیئے۔ لیکن اب ہمارے ہاں ایک ایسی تبدیلی واقع ہوئی ہے جس سے فرقوں کی پوزیشن یکسر بدل گئی ہے۔ ہماری جمہوریۂ اسلامیۂ پاکستان نے جو دستور مرتب کیا ہے اور جسے خیر سے اسلامی دستور قرار دیا گیا ہے۔ اس میں "مسلمانوں کے ان مسلمہ فرقوں" کو آئینی سند عطا کر دی گئی ہے یعنی، اسلامی دستور اور اس میں فرقوں کی آئینی حیثیت !!

دیکھا دیا للعجب !! یہ وہ دستور ہے جس پر ہماری مذہبی جماعتوں نے چراغاں کیا تھا۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما ؟

پس چہ باید کرد ؟ (۹) اب سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے ؟ فرقے بہرحال موجود ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو ختم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہر فرقہ، فرقے مٹانے کی تدبیر یہ بتاتا ہے کہ دوسرے فرقے اپنے آپ کو اُس فرقے میں شامل کرلیں، اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے کوئی فرقہ بھی تیار نہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مشکل کا حل کیا ہے ؟ یہ سوال بڑا اہم اور بڑا نازک ہے اسلئے اس پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

(۱) قرآن کا دعوےٰ ہے کہ وہ ہر قسم کے اختلافات کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔

(۲) اس پر ہمارا ایمان ہے۔

(۳) قرآن ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

اب آپ سوچئے کہ اگر ہم اس کے بعد بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اختلافات مٹ نہیں سکتے اور فرقے ختم نہیں ہو سکتے تو اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے ؟ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) قرآن میں اب یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اختلافات کو مٹا سکے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟ لیکن اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے فرقے مٹ نہیں سکتے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم عملاً اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کا یہ دعوےٰ صحیح نہیں کہ وہ فرقوں کو مٹا سکتا ہے! اگر قرآن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے تو ہمیں سب سے پہلے اس خیال کو دماغ سے نکال دینا ہوگا کہ قرآن کے ہوتے ہوئے بھی فرقے نہیں مٹ سکتے۔ یاد رکھئے کہ قرآن کا ہر دعویٰ سچا ہے اور اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اختلافات کو مٹا دے۔ اس کے بعد سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ طریق کیا ہے جس کے مطابق قرآن اختلافات کو مٹاتا ہے۔

آج سے کچھ عرصہ پیشتر ہمارے ہاں (پنجاب میں) ایک جماعت پیدا ہوئی جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ خالص قرآن پر عمل کریگی اور اس طرح مسلمانوں میں پیدا شدہ اختلافات کو مٹا دیگی۔ یہ مقصد بڑا نیک اور یہ دعوےٰ بہت مبارک تھا لیکن اس کا جو عملی نتیجہ ہمارے سامنے آیا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس سے سابقہ فرقوں کا مٹنا تو کجا، ان میں ایک اور فرقے کا اضافہ ہو گیا۔

فرقہ اہلِ قرآن ہمارے لئے ان حضرات کی نیت پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن چونکہ اختلافات مٹانے کے لئے قرآن نے جو طریق بتایا تھا وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا، اسلئے ان کی یہ کوشش ناکام رہی۔ بدقسمتی یہ کہ اس کی ناکامی نے خود قرآن کے مشن کو بڑا نقصان پہنچایا۔ اس طرح کہ اب اگر کسی سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے اختلافات قرآن کی رُو سے مٹ سکتے ہیں تو وہ اس کے جواب میں طنزاً، اور یا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیتا ہے کہ صاحب! یہ نسخہ بھی آزمایا جا چکا اور ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ یعنی ان حضرات کی ناکامی نے خود قرآن کے متعلق یہ خیال پیدا کر دیا کہ (معاذ اللہ) اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رہی کہ یہ اختلافات کو مٹا سکے۔

اختلافات مٹانے کا طریق (۱۰) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن ان اختلافات کے مٹانے کا کیا طریق بتاتا ہے ؟ سب سے پہلے تو یہ سمجھئے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (۴۲/۱۰)

جس معاملہ میں بھی تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ (حکم) اللہ کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ اس میں "حکم" کا لفظ غور طلب ہے۔ یعنی یہ انفرادی چیز نہیں کہ دو آدمیوں میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا اور وہ اپنے طور پر قرآن سے فیصلہ لینے کے لئے بیٹھ گئے۔ متنازعہ فیہ امور میں حکم یا فیصلہ ہمیشہ تیسرے مقام سے ملا کرتا ہے اسے حکم یا ثالث کہتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے قرآن نے رسول اللہ سے کہا تھا کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۴/۶۵)۔ تیرا رب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ کبھی صاحبِ ایمان نہیں کہلا سکتے جب تک یہ اپنے اختلافی امور میں تجھے اپنا حکم (فیصلہ دینے والا) تسلیم نہ کریں۔ اور پھر جو فیصلہ یہاں سے صادر ہو اس کے خلاف اپنے دل میں بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

یعنی قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث اور حاکم کی ضرورت ہوگی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں "اللہ اور رسول" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ اس آیت سے چند آیات پہلے ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

زندہ مرکز

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ اے جماعتِ مومنین! تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں (اللہ اور رسول کی طرف سے) صاحبِ اختیار بنایا جائے ان کی اطاعت کرو۔ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ... (۴/۵۹)۔ اور اگر تم میں کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو (اسے اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ) اسے "اللہ اور رسول" کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے۔ اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ دو افراد میں اختلاف تو ایک طرف، اگر افسرانِ امت سے کسی فیصلہ میں بھی اختلاف ہو تو اسے قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی (اللہ اور رسول) کی طرف لوٹا دو۔ یہی شرطِ ایمان ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن نے تفرقہ اور اختلاف کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کفر سے محفوظ رہنے کی عملی شکل یہ بتائی گئی ہے امت کے پاس قرآن ہو اور قرآن کی روشنی میں فیصلہ دینے والا رسول۔ چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں ہے وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (۳/۱۰۰)۔ تم کس طرح کفر میں مبتلا ہو سکتے ہو جب کہ حالت یہ ہے کہ

(i) تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے۔ اور

(ii) اس کے ساتھ تم میں اُس کا رسول موجود ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک امت میں (i) قرآن اور (ii) رسول موجود ہو فرقے پیدا نہیں ہو سکتے۔

(۱۱) اس سے ہمارے سامنے ایک اور سوال آ گیا۔ اور وہ یہ کہ قرآن کی ان آیات سے تو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی موجودگی (یعنی زندگی) تک امت نے فرقوں سے بچے رہنا تھا لیکن آپ کے بعد فرقوں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ فرقوں سے بچنے کے لئے قرآن اور رسول دونوں کی موجودگی کی ضرورت تھی۔ اور جب ان میں سے ایک جزو (رسول) موجود نہ رہا تو اس حفاظت کی شکل بھی باقی نہ رہی۔

قیام رسول کے معنی

قرآن کہتا ہے کہ تم نے بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ تم اس خیال میں ہو کہ "رسول کی موجودگی" سے مراد یہ ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ تم میں زندہ موجود ہیں اس وقت تک یہ شکل باقی رہے گی۔ جب وہ وفات پا جائیں گے تو پھر "رسول"

موجود نہیں رہے گا۔ یہ بات غلط ہے۔ یہ سلسلہ رسول کی طبعی زندگی سے مشروط نہیں۔ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں یہ کہہ کر اسکی صراحت کردی گئی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۔ محمد بجز اس نیست کہ اللہ کا رسول ہے اس سے پہلے بہت سے رسول (اپنا فریضہ پیغام رسانی ادا کرنے کے بعد) دنیا سے چلے گئے۔ سو اگر (کل کو) یہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم یہ سمجھ کر کہ یہ نظام انکی زندگی تک محدود تھا) پھر اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹ جاؤ گے؟ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا (۳/۱۴۳) جو (رسول کی وفات پر) اپنی سابقہ روش پر لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا (اپنا ہی کچھ بگاڑے گا)

اس سے بات بالکل واضح ہو گئی۔ یعنی یہ کہ وَفِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ سے مراد رسول اللہ کی طبعی زندگی نہیں۔ آپ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور باقی رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے حضور کو خَاتَمُ النَّبِيِّينَ کہا ہے۔ یعنی نبوت آپ کی ذات پر ختم ہو گئی لیکن رسالت آگے بھی جاری رہے گی۔ نبوت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے وحی پانا اور رسالت سے مراد ہے اس وحی کو آگے پہنچانا۔ اس کے مطابق نظام قائم کرنا۔ متنازعہ فیہ امور میں فیصلے دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ جب رسول اللہ وفات پا گئے تو امت میں کہرام مچ گیا

رسول اللہ کے بعد

ایسا ہونا فطری امر تھا۔ شدتِ جذبات میں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس نظام کو رسول اللہ نے قائم فرمایا تھا اب وہ ختم ہو گیا کیونکہ اسکے لئے وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کی شرط تھی۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ برسر منبر تشریف لائے اور وفیکم رسولہ کا قرآنی مفہوم اس انداز سے سمجھا دیا کہ اس سے بہتر انداز کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایھا الناس! من کان منکم یعبد محمداً فانہ قد مات۔ ومن کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت۔ اے لوگو! جو تم میں سے محمدؐ کی محکومیت اختیار کئے تھا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا معبود وفات پا گیا ہے۔ لیکن جو خدا کی محکومیت اختیار کئے تھا تو اس کا معبود زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کے بعد آپ نے وہی آیت پڑھی جو اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ یعنی وما محمد الا رسول...... اس سے حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آگئی۔ حاضرین سمجھ گئے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد یہ نظام کس طرح قائم رہے گا۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انھوں نے فوراً خلیفۃ الرسول (یعنی رسول اللہ کے جانشین) کا انتخاب کیا اور اس طرح رسول اللہ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پُر کر لیا۔ اسلئے

خلیفۃ الرسول کی حیثیت

کہ یہ ظاہر ہے کہ کسی کے جانشین کی موجودگی خود اسکی اپنی موجودگی ہوتی ہے۔ اس طرح امت میں فی الحقیقت اور رسول بدستور موجود رہا۔

اس مقام پر اتنا اور واضح کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد فریضۂ رسالت کی ادائیگی درحقیقت پوری امت کے ذمے عائد ہوتی تھی۔ اسی لئے قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ

(۱) کتاب اللہ کی وارث امت ہے۔ نہ کوئی ایک فرد۔ سورۃ فاطر میں ہے وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ۔ اللہ وہ ہے جس نے تیری طرف (اے رسول) یہ کتاب نازل کی جو ان حقیقتوں کو سچ کر دکھانے والی ہے جو اس سے پہلے سامنے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ رسول کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے لئے اُس خدا نے جو اپنے بندوں کے تمام حالات سے باخبر ہے کہا یہ کہ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ...... (۳۵/۳۱-۳۲)۔ اس کتاب کی وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے (اس امت کو) منتخب کر لیا ہے۔ یعنی پہلی بات یہ کہ قرآن کی وارث پوری کی پوری امت ہے۔ اس کے بعد آگے بڑھئے

(۲) رسول اللہ کا فریضہ یہ تھا کہ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (۷/۱۵۷)۔ وہ معروف کا حکم دیتا تھا اور منکر سے روکتا تھا۔ اب یہی فریضہ امت کی طرف منتقل ہوگیا۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ... (۳/۱۰۹) تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم دو۔ اور منکر سے روکو۔

امت کا نمائندہ

ان حقائق سے واضح ہے کہ رسول اللہ کی جانشین درحقیقت پوری کی پوری امت ہے۔ عملی انتظام کی سہولت کے لئے امت اپنے میں سے بہترین فرد کو اپنا نمائندہ بنا کر اس سلسلہ کو قائم رکھتی ہے۔ اس طرح امت میں کتاب اور رسول بدستور باقی رہتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں اختلافات کے رونما اور فرقوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں نہ کوئی اختلاف پیدا ہوا نہ کسی فرقے نے جنم لیا۔ اس دور میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی اختلافی معاملہ کے تصفیہ کے لئے افرادِ امت از خود فیصلہ کرنے بیٹھ گئے ہوں۔ اختلافی امور میں مرکزی اتھارٹی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور اس کے فیصلوں کی اطاعت سب پر لازم تھی۔

ایک اہم سوال کا جواب

یہیں سے ہمیں اُس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جس کی طرف میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا یعنی یہ سوال کہ امت ایک طریق پر قائم ہے۔ کچھ لوگ اس طریق سے اختلاف کرکے الگ فرقہ بنالیتے ہیں۔ اس صورت میں امت دو فرقوں میں بٹ گئی۔ جن لوگوں نے الگ فرقہ بنالیا۔ وہ تو یقیناً مجرم ہیں۔ لیکن جو پہلے طریق پر قائم ہیں انہیں تو مجرم نہیں قرار دیا جاسکتا؟ بالکل ٹھیک۔ یہی ہے وہ دلیل جسے ہر فرقہ کی طرف سے یہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے کہ ہم اصل حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور الگ فرقے دوسروں نے بنائے ہیں۔ لیکن ایسا کہنے میں اس حقیقت کو فراموش کردیا جاتا ہے کہ جب تک "نظمِ رسول" کی کیفیت رہے، یہ صورت جسے یوں بیان کیا جاتا ہے، پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ اُس وقت اگر کوئی جماعت امت سے اختلاف کرے گی تو رسول کا جانشین قرآن کے اس حکم کے ماتحت کہ إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (۶/۱۶۰) اس امر کا اعلان کردے گا کہ امت کو اس نئے فرقہ سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا وہ امت کا فرد کہلا ہی نہیں سکے گا۔ اُسے مسلمانوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں رہے گا۔ وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہوگا۔ اسلئے امت امتِ واحدہ ہی رہے گی۔

بہرحال یہ تھی وحدتِ امت کی وہ عملی شکل جسے قرآن نے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد تجویز کیا تھا۔ اور جسے حضورؐ کی وفات کے بعد اختیار کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ صورت قائم نہ رہی۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ سلاطین نے اپنی مصلحتوں کے ماتحت 'سیاست' کو مذہب سے الگ کر لیا۔ اس یکسر غیر قرآنی تقسیم کی رو سے 'سیاست' سے متعلق امور کے فیصلے بادشاہ خود کرتے تھے۔ باقی رہی 'شریعت' سو اس

متعلق اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ لوگ انفرادی طور پر فیصلے کرتے۔ اس ضمن میں ایک اور دشواری سامنے آئی۔ قرآن نے "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔ "اللہ اور رسول" کا جو مفہوم قرآنی نظام میں لیا جاتا تھا اس مفہوم کی اب گنجائش ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ اب وہ نظام ہی باقی نہ تھا۔ لہٰذا اب "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا کوئی نیا مفہوم لیا جانا ناگزیر ہوگیا۔ اللہ کی اطاعت کے متعلق تو سمجھ لیا گیا کہ اس سے مراد کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن رسول کی اطاعت کس طرح کی جائے؟ یہ سوال مشکل تھا۔ اس کے حل کے لئے اس کے سوا کوئی اور صورت نظر نہیں آتی تھی کہ حضورؐ کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ زمانۂ خلافت میں چونکہ اطاعتِ رسول کا عملی مفہوم سامنے تھا اس لئے احادیث کے جمع اور مرتب کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی ضرورت پڑ گئی۔ لہٰذا احادیث کے مجموعے مرتب کئے گئے۔ اب "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا طریق یہ قرار پایا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے متنازعہ فیہ امور کے فیصلے انفرادی طور پر کئے جائیں۔ ان انفرادی فیصلوں میں اختلاف ناگزیر تھا۔ اس لئے مختلف فرقوں کے نزدیک "قرآن اور حدیث" کے فیصلے مختلف ہوگئے۔ ان اختلافات کو مٹانے کے لئے مناظرے اور مباحثے شروع ہوگئے۔ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ہمارے سامنے ہے۔ یعنی ——— مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ———

چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ امت میں بیسیوں فرقے موجود ہیں۔ اور ہر فرقہ خدا اور رسول کی اطاعت کا مدعی اور حقیقی اسلام پر کاربند ہونے کا دعویدار ہے۔ اور چونکہ اختلافات مٹانے والی کوئی زندہ اتھارٹی موجود نہیں۔ یعنی "فیکم رسولہ" کی شکل باقی نہیں۔ اس لئے کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا کہ کون غلط کہتا ہے اور کون صحیح۔

میرا خیال ہے برادران! کہ اب ہم خود بخود اس مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں ہمیں اس سوال کا جواب از خود مل جاتا ہے کہ امت میں وحدت پیدا کرنے کی شکل کیا ہے؟ اس کی شکل یہ ہے کہ جس نظام کے گم ہو جانے سے فرقہ بندی شروع ہوئی تھی اس نظام کو پھر سے قائم کر دیا جائے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس فکر کو عام کیا جائے کہ فرقوں کی موجودگی اور اسلامی زندگی دو متضاد چیزیں ہیں جو، قرآن کی رو سے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور فرقوں کو مٹا کر اسلامی زندگی پیدا کرنے کا طریق، قرآنی نظام کے قیام کے سوا اور کوئی نہیں۔ طلوعِ اسلام کے سامنے یہی مقصد ہے اور اسی کے حصول کے لئے یہ مصروفِ جد و جہد ہے۔ اور یہی وجہ اس کی مخالفت کی بھی ہے۔ اس لئے کہ فرقوں کے مٹ جانے سے مذہبی پیشواؤں کی سیادت ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اب قرآنی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں، تو اسے کم از کم اپنے آپ کو اس فریب میں تو مبتلا نہیں رکھنا چاہیئے کہ ہماری موجودہ زندگی اسلامی زندگی ہے۔ یا فرقوں کے باوجود اسلامی ہو سکتی ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ آپ اس حقیقت کو سامنے لانے کے لئے بآسانی تیار نہیں ہوں گے۔ آپ اسے کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیں گے کہ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ آپ کے نزدیک قابلِ قبول یہی مسلک ہوگا کہ تمام فرقوں میں سے ایک فرقہ حق پر ہے۔ اس سے آپ کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جس فرقے میں متعلق ہوں وہ حق پر ہے لہٰذا اس کے مطابق زندگی اسلامی زندگی ہے۔ جو نظریہ آپ سے اس اطمینان کو چھینتا ہے، وہ آپ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ آپ کو اس کے خلاف غصہ آنے لگا۔ لیکن برادران! آپ کا یہ غصہ خود قرآن کے خلاف ہونا چاہیئے جو فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے نہ کہ اس کے خلاف جو قرآن کی اس تعلیم کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہے یا تو آپ یہ کہیے کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں اور اگر آپ اس کی تردید نہیں کر سکتے تو پھر آپ کے برافروختہ ہو جانے سے قرآنی حقیقت کو

اپنی جگہ سے ہلائی نہیں جائے گی۔ یاد رکھئے۔ جب تک آپ اس تلخ حقیقت کو گوارا نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی کی زندگی قطعاً اسلامی زندگی نہیں، آپ قرآن کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم پر آ نہیں سکتے۔ قرآن کی رو سے صراطِ مستقیم ایک ہی ہے۔ جب امت مختلف راستوں پر چل نکلے تو پھر وہ صراطِ مستقیم کسی کے سامنے بھی نہیں رہتا۔ سورۂ انعام میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۶/۱۵۳) یاد رکھو! میرا یہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ پس تم سب اسکی اتباع کرو۔ اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ وہ راستے تمہیں اس صراطِ مستقیم سے متفرق اور پراگندہ کر دیں گے۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ شعار رہ سکو۔

سیاسی پارٹیاں

اس وقت تک ہم نے صرف مذہبی فرقوں سے متعلق گفتگو کی ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ لیکن ان کے متعلق کچھ جداگانہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اسلام میں مذہب اور سیاست الگ الگ شعبے نہیں۔ اس لئے تفرقہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو یا سیاسی پارٹیوں کی صورت میں، اس کی حیثیت یکساں ہے۔ قرآن کی رو سے سیاسی پارٹی بازی کتنا عظیم جرم ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حضرت موسیٰ سے (عطائے نبوت کے بعد) کہا گیا کہ ہم نے تمہیں ایک خاص مشن کے لئے منتخب کیا ہے۔ اس لئے اب اس اہم مہم کے سر کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یعنی جاؤ اور فرعون کو اسکی دست درازیوں سے روکو۔ فرعون کا وہ جرم کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے خلاف اس قدر اہم اور شدید کارروائی کی ضرورت پڑ گئی؟ حضرت موسےٰ سے کہا گیا کہ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ۔ فرعون نے سخت سرکشی اختیار کر رکھی ہے اس نے اودھم مچا رکھا ہے۔ اس نے انسانیت کو تباہ کر دیا ہے! اس نے کیا یہ ہے کہ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا (۲۸/۴)، اس نے باشندگانِ ملک کو پارٹیوں میں تقسیم کر دیا ہے!

آپ نے غور فرمایا برادران! کہ پارٹی بازی عدالتِ خداوندی میں کتنا بڑا سنگین جرم ہے۔ سورۂ انعام میں ہے کہ جس قوم پر اس کے جرائم کی پاداش میں خدا کا عذاب مسلط ہوتا ہے اسکی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اس قوم پر اس قسم کے حاکم مسلط ہو جاتے ہیں جو ظلم و استبداد سے ان کا کچومر نکال دیتے ہیں۔ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ کبھی یہ ہوتا ہے کہ قوم کے نچلے طبقہ (عوام) میں اضطراب اور عدم اطمینان اس شدت تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ قانون شکنی اور فساد انگیزی پر اتر آتے ہیں اور اس طرح معاشرہ کا نظام تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ یا ایسا ہوتا ہے کہ خواص اور عوام مل کر مخلوط پارٹیاں بنا لیتے ہیں۔ ہر ایک لیڈر اپنے پیچھے کچھ بھیڑیں لگا لیتا ہے اور پھر یہ پارٹیاں ایک دوسرے سے لڑتی رہتی ہیں۔ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ (۶/۶۵) غور کرو کہ ہم کس طرح مختلف پہلوؤں کو سامنے لا کر حقیقت کو واضح کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ بات کو سمجھ سکیں۔

لہٰذا مذہبی فرقے ہوں یا سیاسی پارٹیاں، قرآن کی رو سے دونوں خدا کا عذاب ہیں۔ لیکن پارٹیوں کا مٹانا ایسا مشکل نہیں ہوتا۔ ایک عمدہ نظام میں پارٹیوں کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اصل دشواری مذہبی فرقوں کے مٹانے میں پیش آتی ہے کیونکہ

اس کی مخالفت میں عوام کے مقدس جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔ اس کا علاج سوائے قرآنی نظام کے احیاء کے اور کچھ نہیں۔

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

اس پمفلٹ کے علاوہ ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع شدہ

حسب ذیل پمفلٹس بھی دیکھئے

جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے اہم اور ضروری سوالات کے متعلق اسلام کیا کہتا ہے؟

روٹی کا مسئلہ — ایسا مسئلہ نہیں جس سے مسلمان ہچکچاہٹ محسوس کریں۔ اسلام نے معاشی مسئلہ کو جس قدر اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس پمفلٹ سے لگ سکے گا۔ قیمت ۲ر

اطاعت رسولؐ — اسلام میں رسول کی اطاعت سے کیا مراد ہے۔ ایک نہایت اہم سوال کا بہت واضح جواب۔
قیمت ۲ر

تقدیر امم — قوموں کی موت و حیات کے قرآنی اصول کیا ہیں۔ صلاحیت اور جد و جہد کی اہمیت۔ دولت کی صحیح تقسیم اور استخلاف فی الارض جیسے اہم مباحث۔ قیمت ۲ر

مقام محمدیؐ — حضور سرور کائنات، انسانیت کے کس بلند مقام پر فائز تھے۔ اور معراج محمدیؐ سے کیا مقصود ہے؟ مقالہ نہیں بلکہ جناب پرویز کو حضور رسالت مآب سے جو والہانہ عشق ہے اس کا بادہ لبریز ہے جو بے ساختہ چھلک پڑا ہے۔
قیمت ۴ر

بادۂ زندگی — محترم پرویز صاحب کا وہ بصیرت افروز خطبہ جس سے موصوف نے طلوع اسلام کنونشن لاہور کو خطاب کیا حسن و حقائق کا مرقع۔ قیمت ۲ر

اندھے کی لکڑی — تقلید اور اس کے مضر اثرات سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔
قیمت ۲ر

اس پتہ سے منگوائیے

ناظم ادارہ طلوع اسلام
۱۵۹/۴ ایل (پی۔ ای۔ سی ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی نمبر ۲۹

مجلسِ اقبال

مثنوی رموزِ بیخودی

حکایتِ بوعبید و جابان در معنیٔ اخوتِ اسلامیہ

سابقہ عنوان میں بتایا گیا تھا کہ رسالتِ محمدیہ کا مقصود و مطلب یہ ہے کہ نوعِ انسانی میں حریت، مساوات اور اخوت کی تشکیل و تاسیس کی جائے۔ زیرِ نظر عنوان میں، علامہ اقبال دو تین واقعات (کی مثالوں) سے اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلام کی اس بنیادی تعلیم پر کس انداز سے عمل کیا۔ پہلی مثال ایک ایسے واقعہ کی ہے جو فتحِ ایران کے وقت ظہور میں آیا۔

شد اسیرِ مسلمے اندر نبرد
قائدے از قائدانِ یزدجرد

میدانِ جنگ میں ایک سپاہی نے ایک ایرانی کو گرفتار کر لیا۔ وہ ایرانی کوئی معمولی سپاہی نہیں تھا۔ شاہنشاہِ ایران (یزدجرد) کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ لیکن مسلمان سپاہی کو اس کا علم نہیں تھا۔

گبرِ باراں دیدہ و عیار بود
حیلہ جو و پرفن و مکار بود

وہ ایرانی سردار بڑا چالاک، ہوشیار اور تجربہ کار تھا۔

از مقامِ خود خبردارش نہ کرد
ہم ز نامِ خود خبردارش نہ کرد

اس نے اپنے گرفتار کرنے والے مسلمان سپاہی کو نہ اپنا نام بتایا اور نہ ہی یہ کہ اس کا منصب کیا ہے۔

گفت می خواہم کہ جاں بخشی مرا
چوں مسلماناں اماں بخشی مرا

نام، پتہ بتائے بغیر اس نے اُس مسلمان سپاہی سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو مسلمانوں کی طرح مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور مجھے میری جان کی امان دیدے

گرد مسلم تیغ را اندر نیام
گفت خونت ریختن بر من حرام

اس مسلمان سپاہی نے اسے امان دیدی۔ اپنی تلوار نیام میں رکھ لی۔ اور اُس سے کہدیا کہ مجھ پر تیرا خون بہانا حرام ہے۔

چوں درفشِ کاویانی چاک شد
آتشِ اولادِ ساساں خاک شد

جنگ ختم ہوگئی۔ ایران کو سخت شکست ہوئی۔ اس کا علم سرنگوں ہوگیا۔ ساسانی خاندان کی شوکت و سطوت راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔

آشکارا شد کہ جابان است او
میرِ سربازانِ ایران است او

اس وقت پتہ چلا کہ وہ ایرانی جسے اُس مسلمان سپاہی نے پناہ دی تھی۔ درحقیقت ایران کی فوج کا کمانڈر جابان تھا جس کے خلاف فاتح منصور مجاہدین کے دل میں آتشِ انتقام بھڑک رہی تھی۔

قتلِ او از میرِ عسکر خواستند
از فریبِ او سخن آراستند

انھوں نے اپنے کمانڈر سے کہا کہ جابان کو قتل کرنا چاہیئے۔ اس نے دھوکا دیکر پناہ حاصل کی ہے اس پناہ دہی کی حقیقت کچھ نہیں۔

بوعبید آں سیدِ فوجِ حجاز
در دغا عزمش ز لشکر بے نیاز

بات بڑھتے بڑھتے لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ تک پہنچی۔ آپ نے سارا واقعہ سنا اور اس کے بعد کہا کہ

گفت اے یاراں مسلمانیم ما
تارِ چنگیم و یک آہنگیم ما

اے دوستو! ہم مسلمان ہیں۔ ہم سب ایک ہی ساز کی مختلف تاریں ہیں۔ اور ان سب تاروں سے ایک ہی آواز نکلتی ہے۔ ساز میں چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا تار یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ نغمہ ان تمام تاروں کی ہم آہنگی سے مرتب ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں آواز کس تار سے پیدا ہوئی اور فلاں کس سے؟

نعرۂ حیدرؓ۔ نوائے بوذرؓ است
گرچہ از حلقِ بلالؓ و قنبرؓ است

سطح بین نگاہوں میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا شمار قوم کے سرداروں میں ہوگا۔ اور حضرت بلالؓ اور حضرت قنبرؓ غلاموں اور ملازموں کی صف میں کھڑے ہوں گے۔ آقا اور سردار کے فیصلہ کی پابندی غلام اور ملازم پر تو ہوگی۔ لیکن غلام اور ملازم کے کسی عہد و پیمان کی پابندی آقا اور

سردار پر نہیں ہوگی۔ لیکن ہم مسلمان ہیں۔ ہم میں اس قسم کی تفریق و تمیز قطعاً نہیں ہو سکتی۔ ہم میں جو لفظ بلال حبشیؓ و قنبرؓ کی زبان سے نکلے گا اسے حضرت علیؓ اور ابوذر غفاریؓ کی آواز سمجھا جائے گا۔

ہر یکے از ما امینِ ملت است
صلح و کینش، صلح و کینِ ملت است

ہم میں سے ہر شخص ملت کا امین ہے۔ جس سے اس کی صلح ہے ساری ملت کی اس سے صلح ہے۔ جس سے اسے دشمنی ہے۔ ساری ملت کی اس سے دشمنی ہے۔ یا جس سے ملت کی صلح ہے، اس سے تمام افرادِ ملت کی صلح ہے۔ جس سے ملت کی دشمنی ہے اس سے تمام افراد کی دشمنی ہے۔

ملت ار گردد اساسِ جانِ فرد
عہدِ ملت می شود پیمانِ فرد

جب فرد کی جان کی اساس و بنیاد ملت قرار پا جائے تو فرد کا ہر پیمان، خود ملت کا پیمان بن جاتا ہے۔ اور ملت کا عہد و پیمان، ہر فرد پر واجب ہو جاتا ہے۔

گرچہ جاباں دشمنِ بایودہ است
مسلمے او را اماں بخشودہ است

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جابان ہمارا سخت دشمن ہے لیکن اسے ایک مسلمان نے پناہ دیدی ہے۔ اس لئے

خونِ او اے معشرِ خیر الانام
بر دمِ تیغِ مسلماناں حرام

اے امتِ محمدیہ! اس مجوسی سپہ سالار (جابان) کا خون ہماری تلوار پر حرام ہے۔ ہم میں سے جسے ایک فرد پناہ دے دے۔ اس کی پناہ ساری امت کی طرف سے پناہ ہوگی۔

---

(۲) حکایت سلطان مراد و معمار۔ در معنیٰ مساواتِ اسلامیہ

پہلا واقعہ اخوتِ اسلامی کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ زیرِ نظر واقعہ مساوات کی نظیر کے طور پر سامنے لایا جاتا ہے۔ یہ واقعہ شاہنشاہ مراد اور ایک عام معمار کے مابین پیش آیا تھا۔

بود معمارے ز اقلیمِ خجند
در فنِ تعمیر نامِ او بلند
ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد
مسجدے از حکمِ سلطانِ مراد

ایک نامور ایرانی معمار نے ہندوستان کے سلطان مراد کے حکم سے ایک عالیشان مسجد بنائی۔

خوش نیامد شاہ را تعمیر او — خشمگیں گردید از تقصیر او

آتشِ سوزندہ از چشمش چکید — دستِ آں بیچارہ از خنجر برید

بادشاہ کو اسکی تعمیر کردہ مسجد پسند نہ آئی۔ عتابِ ملوکیت جوش میں آگیا اور اس نے حکم دیدیا کہ معمار کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

جوئے خوں از ساعدِ معمار رفت

پیشِ قاضی ناتوان و زار رفت

چنانچہ معمار کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا اور وہ اپنی فریاد لے کر قاضی کی عدالت میں پہنچا۔

آں ہنرمندے کہ دستش سنگ سُفت — داستانِ جورِ سلطان باز گفت

گفت اے پیغامِ حق گفتارِ تو — حفظِ آئینِ محمدؐ کارِ تو

اس نے قاضی کو بادشاہ کے ظلم و جور کی داستان سنائی اور اس سے کہا کہ وہ قانونِ شریعتِ محمدیہ کے مطابق اس کا فیصلہ کرے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ

سفتہ گوشِ سطوتِ شاہاں نیم

قطع کن از روئے قرآں دعویم

میں کسی بادشاہ کا زرخرید غلام نہیں ہوں۔ میں آزاد مرد ہوں۔ میرا معاملہ قرآن کی رُو سے فیصل کیا جائے۔

قاضیٔ عادل بدنداں خستہ لب

کرد شہ را در حضورِ خود طلب

قاضی نے جب یہ داستان سنی تو حیرت اور غصہ سے اپنے ہونٹ چبانے لگا۔ اور اس نے بادشاہ کے نام سمن جاری کر دیئے۔

رنگِ شہ از ہیبتِ قرآں پرید

پیشِ قاضی چوں خطاکاراں رسید

قرآن کا نام سنکر بادشاہ کا رنگ اڑ گیا اور نادم و شرمسار ملزموں کے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔

از خجالت دیدہ برپا دوختہ

عارضِ او لالہ ہا اندوختہ

وہ قاضی کے حضور سر جھکائے کھڑا تھا اور اس کا چہرہ شرم و ندامت سے تمتما رہا تھا۔

یک طرف فریادیٔ دعوے گرے

یک طرف شاہنشہِ گردوں فرے

عدالت میں ایک طرف وہ معمار بحیثیت مستغیث کھڑا تھا اور سامنے اس مملکت کا بادشاہ ملزم کی حیثیت سے۔

گفت قاضی فی القصاص آمد حیوٰۃ
زندگی گیرد باین قانون ثبات

قاضی نے بادشاہ سے کہا کہ قرآن نے جرم کے لئے قصاص کا حکم دیا ہے اور اس کی حکمت و غایت یہ بتائی ہے کہ اس میں انسانی معاشرہ کی زندگی ہے۔ اگر جرم کی سزا (دی) نہ جائے تو معاشرہ کا نظام درہم برہم ہو جائے اور نوع انسانی کے لئے جینا دشوار ہو جائے۔ اور چونکہ قرآن کی رو سے ہر فرد نوع آدم یکساں احترام کا مستحق ہے اس لئے اس کے قانون میں جان کا بدلہ جان ہے۔ بلا تمیز اس کے کہ وہ جان ایک مزدور کے قالب میں ہے یا شہنشاہ کے پیکر میں۔ اسی اصول کے مطابق

عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگین تر از معمار نیست۔

مسلمان غلام کی جان کی قیمت آزاد مرد سے کی جان سے کم نہیں[۱]۔ اور یہ واقعہ ہے کہ بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ سرخ نہیں ہوتا۔ اس لئے قصاص کے معنی یہ ہیں کہ معمار کے ہاتھ کے بدلے بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

چون مراد این آیۂ محکم شنید
دست خویش از آستین بیرون کشید

جب شہنشاہ مراد نے قرآن کی یہ آیت سنی تو خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکال کر قطع کرنے کے لئے پیش کر دیا۔

مدعی را تاب خاموشی نماند
آیۂ بالعدل والاحسان خواند

جب قرآن نے یہ دیکھا تو وہ قرآن کے اصول عدل۔ قاضی کی جرأت اور شاہنشاہ مراد کے ایمان اور جذبۂ تسلیم سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ بے اختیار بول اٹھا کہ خدا نے عدل کے ساتھ احسان کا بھی حکم دیا ہے۔ عدل کا تقاضا پورا ہو گیا۔ اب میری طرف سے احسان کی پیشکش ہے۔

گفت از بہر خدا بخشیدمش
از برائے مصطفیٰ بخشیدمش

میں شہنشاہ کو خدا اور اس کے رسول کے واسطے معاف کرتا ہوں۔ میں اس سے کچھ مواخذہ نہیں کرنا چاہتا۔

یافت مورے بر سلیمانے ظفر
سطوت آئین پیغمبر نگر

---

[۱] علامہ اقبال نے غلام و آزاد کے الفاظ تفہیم کے لئے استعمال کئے ہیں۔ ورنہ اسلام میں غلام کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

اور ایسا منداز سلوک سے اُس ممد نے شاہنشاہ مراد کے خلاف عظیم فتح حاصل کرلی۔ یوں سمجھئے گویا ایک ضعیف، ناتواں چیونٹی نے حضرت سلیمان پہ فتح پالی۔

یہ ہے شریعت محمدی کے غلبہ و اقتدار کا نتیجہ۔ اس لئے کہ اس شریعت کی بنیاد قرآن پر ہے۔ اور

پیش قرآں بندہ و مولا یکے است

بوریا و مسند دیبا یکے است

قرآن کے نزدیک غلام اور آقا برابر ہیں۔ اس کی بارگاہ میں ایک بوریہ نشین فقیر اور مسند عالی پر متمکن سردار میں کچھ فرق نہیں۔

در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا

پہلی مثال اخوت کی تھی۔ دوسری مساوات کی۔ تیسری مثال حریت کی ہے۔ جس کے لئے واقعہ کربلا کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے تمہیداً عقل و عشق کا تقابل ہے۔ جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے عقل سے مراد وہ جذبہ یا قوت ہے جو انسان کی دولت واملاک اور جسم و جان کی حفاظت کی فکر کرتی اور اس کے لئے مختلف تدابیر سجھاتی اور سامان مہیا کرتی ہے۔ اس کے برعکس عشق سے مفہوم وہ جذبہ ہے جو بلند اصولوں اور مستقل اقدار کے لئے انسان کو سب کچھ (مال و دولت، جسم، جان) قربان کر دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآن میں عشق کے لئے ایمان کی اصطلاح آئی ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خدا کے علاوہ کسی اور کے سامنے نہ جھکے۔ جب انسان بلند اقدار کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو کسی کے سامنے جھکنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے احتیاج جھکاتی ہے۔ لہٰذا جو انسان احتیاج سے بلند ہو جائے وہ کسی غیر اللہ کے سامنے کیوں جھکے؟

ہر کہ پیماں با ہو الموجود بست

گردنش از بند ہر معبود رست

جو شخص قوانین خداوندی کی اتباع کو مقصود زندگی قرار دے دے اور اس طرح اپنا عہد و پیمان اللہ سے باندھ لے اس کی گردن میں کسی انسانی آقا کی غلامی اور محکومی کی زنجیر نہیں رہتی۔

مومن از عشق است و عشق از مومن است

عشق را ناممکن ما ممکن است

اسی کا نام عشق ہے۔ اسی سے ایک عام انسان مرد مومن بن جاتا ہے۔ اور یہ عشق انسان کے اندر ایسی قوتیں بیدار کر دیتا ہے کہ جن باتوں کو ہم (عام انسان) ناممکن کہدیتے ہیں، اس کے نزدیک سب ممکنات میں سے ہو جاتی ہیں۔ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی ناممکن نہیں رہتی۔

عقل زیرک است و دانا ست و ناک تر

پاک تر چالاک تر بیباک تر

اس میں شبہ نہیں کہ بعض اوقات عقل بھی ایک بڑے مفاد کے حصول کے لئے چھوٹے فائدے کی قربانی کا سبق دیتی ہے لیکن وہ عشق کے مقام تک کہاں پہنچ سکتی ہے جو زندگی کے بلند مقاصد کی خاطر انسانی جان تک کو قربان کر دینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو عشق، عقل سے کم چالاک نظر نہیں آتا۔ چالاکی سے مقصود یہ ہے کہ اپنے مفاد کے حصول کے لئے بہترین تدبیر کی جائے۔ عشق اپنے مقصد کے حصول کے لئے ایسی تدبیر کرتا ہے جو عقل کے گمان و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ لیکن عقل کی چالاکی اور عشق کی چالاکی میں ایک نمایاں فرق ہے۔ عقل اپنے مقصد کے حصول میں ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر لیتی ہے لیکن عشق ہمیشہ پاکباز ہوتا ہے۔ وہ کبھی کوئی ناجائز ذریعہ استعمال نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ وہ بیباک بھی ہوتا ہے کہ ——— آں را کہ حساب پاک ست، از محاسب چہ باک؟

عقل در پیچاک اسباب و علل

عشق چوگان باز میدان عمل

عقل اپنے مقصد کے حصول کے لئے اسباب و ذرائع کی فکر اور تلاش میں رہتی ہے لیکن عشق اپنے تیشے سے اپنا راستہ آپ تراش لیتا ہے وہ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے بعد فوراً آمادہ بہ عمل ہو جاتا ہے۔

عشق صید از زورِ بازو افگند

عقل مکّار است و دامے می زند

عقل حیلہ اور فریب کے جال پھیلاتی اور اس طرح شکار پھانستی ہے۔ عشق، شیروں کی طرح اپنی قوتِ بازو سے صید افگنی کرتا ہے۔

عقل را سرمایہ از بیم و شک است

عشق را عزم و یقیں لاینفک است

عقل ہمیشہ دوراہے پر کھڑی ہو کر اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی ہے کہ ——— کہیں ایسا نہ ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے ——— لیکن عشق جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس پر جم کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

آں کند تعمیر تا ویراں کند

ایں کند ویراں کہ آباداں کند

عقل جس چیز کو تعمیر کر رہی ہو، سمجھ لیجئے کہ اس کا انجام تخریب ہے۔ غالب کے الفاظ میں، اس کی تعمیر میں خرابی کی صورت مضمر ہوتی ہے۔ عقل جو کچھ بنائے گی مادی دنیا میں مادی اسباب و ذرائع ہی سے بنائے گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر مادی شے تغیر آشنا ہوتی ہے اور فنا آمادہ۔ لہٰذا اس کا انجام تخریب کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس عشق کے ہاتھوں جو کچھ بظاہر برباد ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ در حقیقت ایک جدید عمارت کی تعمیر کے لئے بنیادیں کھودنے کے مرادف ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عقل مال و دولت جمع کرنے میں مصروف رہتی ہے اور خزائن دفائن

کی شکل میں اس کا نتیجہ بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ لیکن اس کا مآل شرفِ انسانیت کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس عشق ہمیشہ ایثار و قربانی ہوتا ہے۔ اس میں بظاہر یہ لگتا ہے کہ انسان کے ہاتھ سے سب کچھ جاتا ہے۔ لیکن اس کا مآل انسانی ذات کی تکمیل اور اس کی خودی کا استحکام ہوتا ہے۔

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں

عقل ہوا کی طرح بالکل بے قیمت اور ہر جگہ میسر آجانے والی جنس ہے۔ اس کے برعکس عشق بڑی کمیاب لیکن گراں مایہ جنس ہے۔ بہت کم ملتی ہے لیکن اس کی قیمت بڑی ہوتی ہے۔

عقل محکم از اساسِ چون و چند
عشق عریاں از لباسِ چون و چند

عقل کی بنیاد منطقی موشگافیوں پر ہوتی ہے اور یہ ہر چیز کو حس کے پیمانے سے ناپتی ہے۔ اس کے برعکس عشق کے پیمانے مستقل اقدار ہوتے ہیں جن کا سرچشمہ چون و چند سے ماورا ہے۔

عقل می گوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحانِ خویش کن

عقل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت اپنے آپ کو آگے بڑھانے کی فکر کرو۔ لیکن عشق کی تاکید یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہو اور یہ دیکھو کہ مجھ میں کیا کمی ہے اور کیا خم ہے۔ میری ذات کس حد تک پختہ ہو چکی ہے اور کس حد تک اس کا نشو و نما باقی ہے۔

عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و با خود در حساب

عقل اکتسابی چیز ہے۔ مشق اور مہارت سے بڑھتی ہے۔ اور اپنے سے غیر کے ساتھ آشنائی پیدا کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ عشق خدا کی دین ہے اور اپنا محاسبہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عقل کا منتہیٰ یہ ہے کہ انسان کو صرف دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں۔ مال، دولت، اولاد وغیرہ (خواہ کسی طریقے سے حاصل ہوں)۔ عشق کی تلقین یہ ہے کہ تو ایک (خدا) کا محکوم بن جا اور ساری دنیا کی محکومیتوں سے مستانہ وار بے نیاز زندگی بسر کر جا۔

قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ مندرجہ بالا اشعار (نیز کلامِ اقبال کے دیگر مقامات) میں عقل کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ علامہ اقبال عقل کی تنقیص کرتے ہیں، وہ اس کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ قرآن نے عقل

ذکر کو بڑی اہمیت دی ہے اور یہی موقف علامہ اقبال کا بھی ہے جس بات کی مخالفت قرآن اور اس کی اتباع میں حضرت علامہ کرتے ہیں وہ یہ کہ عقل انسان کو صرف منفعت کوشی کا سبق دیتی ہے اور دوسروں کی بہبود کی قطعاً پرواہ نہیں کرتی۔ وہ اپنے پیش نظر مقاصد کے حصول میں جائز و ناجائز کی کوئی تمیز نہیں رکھتی اور زندگی کا منتہیٰ طبعی مسرتوں کے سوا کچھ نہیں سمجھتی۔ قرآن اور اقبال اس عقل کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کا نام اقبال کی اصطلاح میں عقل بیباک رکھا گیا ہے۔ جب عقل وحی کی روشنی میں کام کرتی ہے تو اس کا نتیجہ خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ اس عقل کو اقبال کی اصطلاح میں عقل جہاں بیں یا ادب خوردۂ دل کہا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا اشعار میں عقل بیباک کی مخالفت کی گئی ہے نہ کہ اس عقل کی جو وحی کی روشنی میں کام کرتی ہے۔

اب آگے بڑھئے۔ کہتے ہیں

عشق را آرام جاں حریت است
ناقہ اش را ساربان حریت است

عشق کو کامل سکون اور اطمینان آزادی میں ملتا ہے۔ اس کے ناقہ کی ساربان حریت ہے۔

آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد

اب اقبال اس تمہید یا تشبیب کے بعد واقعۂ کربلا کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے سنا ہے کہ کربلا کے میدان میں عشق نے عقل ہوس پرور کے ساتھ کیا کیا؟

آں امام عاشقاں پور بتولؓ — سرو آزادے ز بستان رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

یہ اور اگلے چند اشعار حضرت امام حسینؓ کی مدح میں ہیں۔ آپؓ کا جو مقام ہے وہ ہر ایک پر روشن ہے لیکن ہمارے نزدیک انہیں قرآن کی آیت وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کا مصداق قرار دینا قرآنی مفہوم کے مطابق نہیں ہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ حضرت علیؓ کو بائے بسم اللہ کہنے سے علامہ اقبال کی کیا مراد ہے۔

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلیں نعم الجمل

روایت میں ہے کہ ایک دن نبی اکرمؐ اپنے دونوں نواسوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو کندھوں پر سوار کرکے کھلا رہے تھے۔ آپ نے اس وقت فرمایا کہ تمہارا اونٹ کیسا اچھا ہے اور تمہاری سواریاں بھی کیا خوب ہیں۔ "نعم الجمل" اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی ایں مصرعہ از مضمون او

امام حسینؓ کے خون کی رنگینی سے عشق غیور سرخرو ہے۔ کربلا کے واقعے سے اس موضوع میں حسن و رعنائی پیدا ہوگئی ہے۔

در میان امت آں کیواں جناب
ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب

امت محمدیہ میں آپ کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے قرآن کریم میں سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ احد) کی۔ غالباً مراد یہ ہے کہ جس طرح سورۂ اخلاص توحید کا پیغام پیش کرتی ہے جسے قرآنی تعلیم میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح امام حسینؓ کو امت میں مرکزی پوزیشن حاصل ہے۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است

دنیا میں حق و باطل کی کشمکش شروع سے چلی آرہی ہے۔ اس کشمکش میں مجاہدین کی قوت بازو سے حق کا غلبہ ہوتا ہے اور باطل کی شکست و نامرادی۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت — حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

جب خلافت کا تعلق قرآن سے منقطع ہوگیا۔ اور مسلمانوں کے نظام میں حریت فکر و نظر باقی نہ رہی۔ تو اس وقت امام حسینؓ اس طرح اٹھے جیسے جانب قبلہ سے گھنگھور گھٹا اٹھتی ہے۔ یہ بادل وہاں سے اٹھا، کربلا کی زمین پر برسا اور اسے لالہ زار بنا دیا۔

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

آپ نے اس طرح قیامت تک ظلم و استبداد کے راستے بند کردیئے اور اپنے خون کی سیرابی سے ریگزاروں کو چمنستان بنا دیا۔

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

آپ نے حق کے غلبہ کے لئے جان دیدی اور اس طرح توحید کی عمارت کی بنیاد بن گئے۔ "بنائے لا الہ" میں تلمیح ہے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے اس مصرع کی طرف کہ ــــــ حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ۔

مدعایش سلطنت بودے اگر — خود نکردے با چنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد — دوستان او بہ یزداں ہم عدد

اگر آپ کا مقصد حصول سلطنت ہوتا تو آپ اس بے سروسامانی سے کبھی روانہ نہ ہوتے۔ دیگر سامان و اسباب سے قطع نظر، ساتھیوں کی تعداد کے اعتبار سے بھی دیکھئے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ مخالفین کا لشکر لاتعداد تھا اور آپ کے ساتھ صرف ۷۲ نفوس تھے۔

سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا کی راہ میں قربان کر دینا چاہا تھا۔ یہی راز واقعہ کربلا میں پوشیدہ ہے۔ یہ واقعہ حضرت اسمٰعیلؑ کے واقعہ کے اجمال کی تفصیل ہے۔

عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پایدار و تند سیر و کامگار

آپ کا عزم پہاڑوں کی طرح محکم اور استوار تھا۔ محکم بھی اور اس کے ساتھ حصولِ مقصد کے لئے برق رفتار بھی۔ ایسا عزم جس میں قدم آگے اٹھے پیچھے کبھی نہ ہٹے۔

تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

مومن کی تلوار ہمیشہ دین کے غلبہ و اقتدار کے لئے اٹھتی ہے۔ ذاتی مفاد کے لئے نہیں۔ اس کا مقصد آئین و قانون کی حفاظت ہوتا ہے۔

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

مسلمان اللہ کے سوا کسی کا محکوم نہیں ہوتا۔ اس کا سر کسی فرعون کے سامنے نہیں جھکتا۔

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

امام حسینؓ کے خون نے ان اسرار و رموزِ دین کی تفسیر کر دی اور سوئی ہوئی ملت کو جگا دیا۔

تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگِ اربابِ باطل خوں کشید

انھوں نے جب لا کی تلوار کو بے نیام کیا تو باطل کے خداؤں کی رگوں سے خون جاری ہو گیا۔

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

باطل کے خداؤں کو مٹانے کے بعد انھوں نے سرزمین کربلا پر خدا کی توحید کا نقش ثبت کر دیا۔ وہ توحید جو ہماری نجات کا سرعنوان ہے۔

رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

ہم نے قرآن کے رموز و اسرار امام حسینؓ سے سیکھے ہیں۔ ان کی حرارت ایمانی سے ہم نے شعلہائے حیات کو جمع کیا ہے۔

شوکت شام و فر بغداد رفت　　سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز　　تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

مسلمانوں کی کئی سلطنتیں قائم ہوئیں، اور مٹ گئیں — بنی امیہ کی سلطنت، دمشق میں بھی، اور اندلس میں بھی۔ بنی عباس کی حکومت۔ یہ اپنے اپنے عروج کے بعد ختم ہو گئیں، لیکن داستانِ کربلا ابھی تک زندہ ہے۔ ہمارے تارِ حیات میں پوشیدہ نغمے اسی زخمہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ امام حسینؓ کے تکبیر کی جو آواز بلند کی تھی۔ اس سے ہمارے ایمان میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

اے صبا! تو ہماری نم آلود آنکھوں کا سلام، مرقدِ امام حسینؓ تک پہنچا دے۔

اس باب کی تیسری مثال، اس مقام پر ختم ہو جاتی ہے۔ مثالوں کے سلسلہ میں اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ شاعر کے سامنے ایک نقطۂ نگاہ ہوتا ہے جو موضوعِ سخن کا عمود بنتا ہے۔ وہ اس نقطہ کی وضاحت مختلف اسالیب و انداز سے کرتا ہے۔ کبھی تشبیہات و استعارات سے، کبھی امثال و نظائر سے۔ اس ضمن میں وہ یہ بھی کرتا ہے کہ جو باتیں معاشرہ میں عام طور پر مشہور اور مروج ہوں، انہیں بھی اپنے موضوع کی تائید میں پیش کر دیا جائے — بعض اوقات بعینہٖ اسی شکل میں، اور بعض اوقات ان کی تفاصیل و جزئیات میں تغیر و تبدل اور حشو و زوائد کے ساتھ — اس قسم کے واقعات کی تاریخی تحقیق یا اصولی بحث اس کے پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ نہ ہی انہیں اس نقطۂ نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ علامہ اقبال نے اصولاً یہ نکات پیش کئے ہیں کہ قرآن اخوت، مساوات اور حریت کا علمبردار ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اس اصولی تعلیم کی تائید میں وہ جو کچھ پیش کریں ہو سکتا ہے کہ اس کی جزئیات یا استنباطِ تاریخی میں کسی کو اختلاف ہو، لیکن اس اختلاف سے اس اصل پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا جس کی تائید میں وہ چیزیں پیش کی گئی ہوں۔ کلامِ اقبال کے مطالعہ کے وقت اس بنیادی حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے۔

اقبال اور قرآن

علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انتخاب آفریں مقالات کا مجموعہ

ضخامت ۲۵۶ صفحات　　قیمت دو روپے

فرنگ رہ گذرِ سیلِ بے پناہ میں ہے

انسان نے قدرت کی قوتوں کو مسخر کرنے میں جس قدر ترقی ہمارے زمانے میں کی ہے، ماضی کے ادوار اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جس کرب و غم کے دور سے انسانیت اس وقت گذر رہی ہے، یہ بھی گذشتہ زمانے کے انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اس کرب و اذیت کی شدت اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خود مغرب کے مفکر بے اختیار چیخ اٹھے ہیں۔ ان کی کیفیت یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص پتھر کی بہت بڑی چٹان کے ساتھ لوہے کی زنجیروں سے بندھا ہو اور سامنے آتش فشاں پہاڑ سے پگھلے ہوئے لاوے کا آتشیں دریا اس کی طرف چلا آ رہا ہو۔ ایک ایسی ہی چیخ و پکار ہے جو اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے سنائی دیتی ہے جو پچھلے دنوں برطانیہ کے مشہور مفکر برٹرینڈ رسل نے آئزن ہاور اور خروشچیف کے نام روزنامہ اخبارات کی وساطت سے بھیجی ہے۔ آپ بھی اس کا ترجمہ غور سے پڑھیے۔ (طلوع اسلام)

-----x-----

آپ دونوں آج کی دنیا کے دو سب سے زیادہ طاقتور ممالک کے سربراہ کار اور مقتدر ترین ہستیاں ہیں۔ اور اسی حیثیت سے آپ کی خدمت میں میرا یہ عریضہ پیش ہے۔ آپ دونوں ان ممالک کی پالیسیوں کی تشکیل فرماتے ہیں۔ آپ کو جبر و قہر کا وہ اختیار حاصل ہے جو آج تک کسی فرد یا جماعت کو نصیب نہ ہوا تھا۔ آپ کے ملکوں کی ساخت ... صرف ان نقاط پر مرکوز ہے جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ آپ دونوں کے قومی مفادات مختلف ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ دور اندیشی اور دانش مند مدبر ہونے کی حیثیت سے آپ ناواقف نہیں کہ بہ نسبت ان اختلافات کے بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں روس اور امریکہ کے مفادات یکساں ہیں اور یہی معاملات ہیں جنہیں حقیقی اہمیت حاصل ہے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ جیسی دو نامور ہستیاں باہم متفق ہو کر اگر اس حقیقت کا اعلان کر کے اپنی اپنی عظیم مملکتوں کی پالیسیوں کو اس سے ہم آہنگ کر لیں تو نہ صرف اپنے ملکوں ہی میں نہیں بلکہ چار دانگ عالم سے امن و صدق کا پرمسرت نعرہ بلند ہوگا اور آپ دونوں باہمی شہرت کے ایسے مقام بلند پر پہنچیں گے جہاں تک زمانہ حال یا دور ماضی کے کسی مدبر کو رسائی نصیب نہیں ہوئی۔

اگرچہ آپ دونوں امریکہ اور روس کے مفادات کے ان لفاظ سے اچھی طرح واقف ہیں جس میں کہ بلا ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور کوئی تصادم نہیں ہوتا تاہم محض توضیح کی خاطر میں سطور ذیل میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔

ہر شخص کی خواہ وہ کسی مکتب خیال سے متعلق کیوں نہ ہو اولین فکر نسل انسانی کا تحفظ و بقا ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ نسل انسانی کا تحفظ آجکل مشرق و مغرب کی آویزش اور کشمکش میں ایک خطرۂ عظیم سے دوچار ہے اور اگر یہی ہتھیار دوسری متعدد چھوٹی چھوٹی اقوام کی بھی دسترس میں آجائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں جوشیلے اور ناعاقبت اندیش لوگوں کے غیر ذمہ دارانہ حرکات سے یہ خطرہ کہیں زیادہ بڑھ جائے گا۔

مشرق و مغرب کے بعض جاہل اور بیوقوف فوجی رہنما ڈرتے ہیں کہ اس خطرہ کو ایک ایسی عالمگیر جنگ کے ذریعہ ٹالا جا سکتا ہے جس میں اُن کی جماعت کامران ہو کر نکلے لیکن سائنس اور ٹیکنیکل مہارت کی دن دوگنی رات چوگنی ترقیوں کے مد نظر یہ خوش فہمی خام خیالی سے بڑھ کر نہیں کیونکہ اب کوئی عالمگیر جنگ کسی ایک فریق کی فتح پر منتج نہ ہوگی بلکہ اس سے دونوں فریق متحارب ہلاک اور برباد ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی فریق بھی اس کا دل سے خواہشمند نہیں۔

تسخیر عالم کا سودائے خام خواہ اسلحہ کے ذریعے ہو یا آئیڈیالوجی کے ذریعے، پچھلے زمانے کے جن جیالوں کے سر میں بھی سمایا ہے، اور ہمیشہ اس کا نتیجہ ہلاکت خیزی ہوتی رہی۔ ہسپانیہ کے فلپ ثانی نے اس کی کوشش کی اور نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس کا ملک ایک تیسرے درجہ کی مملکت بن کر رہ گیا۔ لوئی چہاردہم نے بھی یہی کوشش کی اور اپنے ملک کو دیوالیہ کر کے انقلاب فرانس کی راہ ہموار کر دی جس پر وہ خود ماتم کرتا۔ خود ہمارے زمانے میں ہٹلر نے نازی اصول سیاست کی سربلندی اور فروغ کے لئے جنگ چھیڑی اور کس بری طرح تباہ ہوا۔

تاریخ کی دو عظیم ہستیوں نے دو علیحدہ اقسام کی آئیڈیالوجی تشکیل کی ہے جو ہنوز دور تکمیل سے گذر رہی ہیں۔ ان سے میری مراد امریکہ کے منشور حریت و آزادی اور اشتراکی مینی فیسٹو کے نامور مصنفین سے ہے۔ مجھے ایسا توقع کرنے کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں دکھائی دیتی کہ ان میں سے کوئی آئیڈیالوجی بھی ساری دنیا کو مسخر کرنے میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ کامیاب ہو سکے گی۔ موجودہ صورت حال میں نئی بات یہ نہیں کہ ان میں سے کسی کو کامیابی نہیں ہوگی۔ نئی بات یہ ہے کہ اس رسہ کشی کا نتیجہ عالمگیر تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا اس لئے ہمیں یہ امید رکھنی چاہیئے کہ دونوں فریق اس بے سود اور تباہ کن مناقشہ کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں کہ وہ دوسرے فریق کی قوت کے تناسب سے اس کے لئے آزاد دائرہ اثر و اقتدار چھوڑ دے۔

جوہری ہتھیاروں کی غیر محدود تزئید سے جو بین قومی مطلق العنانی اور نراجیت پیدا ہوگئی وہ نہ امریکہ کے لئے فائدہ بخش ہے اور نہ روس کے لئے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب صرف امریکہ ایسے اسلحہ کا مالک تھا۔ پھر ایک زمانہ وہ آیا جب کہ امریکہ کی اس اجارہ داری میں روس بھی دوش بدوش آگیا۔ اب امریکہ اور روس کے علاوہ برطانیہ کے قبضہ میں بھی ایسے ہتھیار ہیں اور اس کے آثار ہیں کہ اگر جلد کوئی بندوبست نہ کیا گیا تو فرانس اور جرمنی بھی ایسے اسلحہ تیار کر لیں گے اور یہ غیر اغلب ہے کہ چین بھی اس دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائے۔ پھر اس خدشہ کو کس طرح صرف نظر کیا جا سکتا ہے کہ چند ہی برسوں میں ہلاکت و تباہی کے یہ مہیب آلات زیادہ آسانی اور کم صرفہ سے بننے لگ جائیں اور کیا عجب ہے کہ مصر اور

اسرائیل بھی ان بڑی قوموں کی تقلید میں چل پڑے۔ جنوبی امریکہ کی متعدد قومیں بھی ضرور اس میدان میں کود پڑیں گی۔ غرض یہ دوڑ ہوگی شاید اس وقت جاکر ختم ہو جب ہر متمدن ملک ایسی پوزیشن اختیار کر جائے کہ وہ ساری دنیا کو یہ کہہ کر دھمکانے کے قابل ہو کہ "ہمارا مطالبہ مانو ورنہ ہم تمہیں جلا کر بھسم کر ڈالیں گے۔"

اگر دنیا کی با اقتدار مملکتوں کے حکمرانوں کے سر میں کچھ بھی عقل و ہوش رکھتے ہوں تو اس خطرہ کا احساس کہ اس قسم کے اقدامات خود ان کے ملک کے باشندوں کو بھی تباہ کر دیں گے، انہیں اس قسم کی کاروائیوں سے باز رکھ سکتا ہے۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ آئے دن کبھی اس کبھی اس ملک کی مسند اقتدار پر ایسے لوگ مسلط ہو جاتے ہیں جو سوجھ بوجھ اور عاقبت اندیشی سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جو کچھ بھی کر گذریں کم ہے۔ ہٹلر کو اگر اپنے ملک کی اور خود اپنے انجام کی ذرہ سی جھلک بھی نظر آجاتی تو کیا وہ ایسی راہ اختیار کرتا جس سے بنی نوع انسان کی تباہی اور خود اس کی عبرتناک ہلاکت ہوئی!

ان ہی اور ایسے ہی اسباب کی بنا پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ نیوکلیر ہتھیاروں کی ترویج کا قطعی سدباب کیا جائے۔ اب روس اور امریکہ کی باہمی رضامندی سے با آسانی ممکن ہے کیونکہ وہ دونوں مل کر دوسرے سب ملکوں کو جو ایسے آلات کی تیاری میں منہمک ہیں قطعی اور مستعدی امداد دینے سے انکار کر سکتے ہیں۔ لیکن تا وقتیکہ آپ دونوں کی با اقتدار مملکتوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہو جائے یہ قطعاً ناممکن ہے کیونکہ ایسے سمجھوتے کے بغیر ہر فریق اپنی طاقت کے اضافہ کے لئے نیوکلیر آلات کی ہر نئی اختراع کا خیر مقدم کرے گا۔ پس جو لوگ امن و سلامتی کے دل سے خواہاں ہیں انہیں تباہی اور ہلاکت کی یہ اندھا دھند دوڑ فوراً روک دینی چاہیئے۔

جب تک ان دو ملکوں کی پالیسی عالمگیر جنگ کے خطرے سے مغلوب رہے گی اور ساری دنیا کی تباہی کا بھوت ان کے سر پر سوار رہیگا۔ اس وقت تک انسانی توانائی اور قومی مالیہ کے ذخائر تباہی و بربادی کی راہ میں ضائع ہوتے رہیں گے۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ روس اور امریکہ اگر کسی سمجھوتہ پر پہنچ جائیں اور دونوں مل کر دنیائے امن کے تحفظ کی کوششوں کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو وہ اپنے قومی مالیہ کا بیشتر حصہ ترقی و مرفہ الحالی کے کاموں کے لئے بچا سکتے ہیں اور اگر موجودہ مخاصمت کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا تو یہ اندیشہ ہے کہ باہمی خوف انہیں ایک دوسرے سے دور ہی دور لے جائے حتیٰ کہ ان کا سارا مالیہ عظیم آلات حرب و ضرب کے لئے وقف ہو جائے اور اہل ملک کو سستی بھی میسر نہ آسکے۔ ایسی حالت میں فوجی مہموں کی تکمیل کی خاطر قوم کی تعلیم بھی غلط اور گمراہ کن راہوں پر چل پڑے گی اور وہ تعلیم و تربیت جو خود ہمارے افراد انسان کی ترقی اور فوز و فلاح کی ضامن ہو یونیورسٹیوں اور مدرسوں کے نصاب سے خارج ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی ہر انفرادی کوشش جو عموماً زمانہ ماضی کے دور ارتقاء میں ایک عظیم الشان کارنامہ تصور کی جاتی رہی ہے غداری کے مترادف سمجھی جانے لگے گی۔ اس شخص کے متعلق یہ خیال کیا جائے گا کہ یہ اپنی جماعت کی فتح و کامرانی میں ممد و معاون نہیں۔ یہ ایک بھیانک صورت حال ہے اور ان آرزوؤں اور تمناؤں کی موت ہے جو ابتدائے تاریخ عالم سے امن پسندوں کے دلوں کو گرماتی رہی ہیں۔

یہ انسانیت سوز بلا جو بنی نوع انسان کی آرزوؤں اور تمناؤں کو مرجھا رہا ہے اگر دور کر دیا جا سکے تو مجھے یقین ہے کہ آپ دونوں

بہت خوش اور مسرور ہوں گے۔ جس زمانے میں ہمارے آباؤ اجداد نے درختوں کی ڈالیوں سے اتر کر زمین پر بسنا شروع کیا تھا، اس وقت سے آج تک بنی نوع انسان کو کبھی ایسے خطرات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور کبھی ہمارے نوجوانوں کے دلوں پر ایسی بے بسی اور مایوسی کا عالم طاری نہیں ہوا۔ اس سے پہلے کبھی کسی کو ایسا خیال کرنے کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دی کہ نوع انسانی ایک ایسی راہ پر گامزن ہے جو اسے ہلاکت و بربادی کے تاریک و بے پایاں غاروں میں دھکیل دے گی۔ میں جانتا ہوں کہ حیات انسانی مستعار ہے اور فرداً فرداً سب کو ایک دن مرنا ہے لیکن ایک اجتماعی ہلاکت کے مہیب خطرے سے ہم اس سے پہلے کبھی دوچار نہ تھے۔

یہ سارا خوف، یہ ساری مایوسی و بے بسی، اور انسانی توانائیوں کا یہ قابلِ رحم بے مصرف صرف سب بلا ضرورت ہیں۔ مایوسیوں اور بے بسیوں کی تاریکی سے چھٹکارا پا کر پھر امیدوں اور ارمانوں کی روشنی میں زندگی گذارنے کے لئے ایک ہی چیز درکار ہے اور وہ یہ کہ مشرق و مغرب دونوں اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت میں خوف و دہشت اور طاقت کے استعمال کی جگہ افہام و تفہیم اور دلائل و براہین کے طریق سے کام لیں۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی فریق دوسرے سے اپنے عقائد کی اشاعت کی کوشش ہی سے دستبردار ہو جائے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اپنی آئیڈیالوجی کو طاقت کے بل پر منوانے کی سعی نہ کی جائے۔

میرا آپ دونوں سے مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ مل بیٹھ کر کھلے دل سے حالات حاضرہ کا جائزہ لیں اور اس پر غور کریں کہ مشرق اور مغرب دونوں کے ایک ساتھ جینے کی اور جینے دینے کی کونسی صورت پیدا کی جا سکتی ہے۔ ان مذاکرات میں آپ کی کوشش یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ میری حکومت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ آپ کو سوچنا یہ چاہیئے کہ باہمی تطابق اور توافق سے ایسے حالات کیسے لائے جائیں جن سے باہمی تصادم کے امکانات کم ہو جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو دنیا آپ کے اس کارنامے کو سراہے گی۔ اور اس طرح عقل و ہوش کی توانائیاں اپنی موجودہ زنجیروں کو توڑ کر ایسے مقاصد کے حصول میں مصروف ہو جائیں گی جن سے انسانی زندگی کو ایسی مسرت و شادمانی اور کامرانی نصیب ہو جائے گی جو ماضی کے سب سے زیادہ درخشندہ ادوار سے بھی آگے بڑھ جائے گی۔

(بحوالہ نیو اسٹیٹسمین)

طلوع اسلام

یہ ہے برٹرینڈ رسل کی چٹھی ان کے جواب میں۔ ہم اس سے زیادہ کچھ اور مناسب نہیں سمجھتے کہ ان تک وہ "پیغام" پہنچا دیا جائے جو اقبال نے آج سے بہت پہلے (پیام مشرق میں) دانایان فرنگ کے نام بھیجا تھا۔

انہوں نے کہا تھا:

از من اے باد صبا گوئے بہ دانائے فرنگ — عقل تا بال کشوداست گرفتار تر است
برق را ایں بجگر می زند آں رام کند — عشق از عقل فسوں پیشہ جگردار تر است
چشم جز رنگ گل و لالہ نہ بیند ورنہ — آنچہ در پردۂ رنگ است پدیدار تر است
عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری — عجب ایں است کہ بیمار تو بیمار تر است

دانش اندوختہ ای دل ز کف انداختہ ای
آہ زاں نقد گراں مایہ کہ در باختہ ای

عقلِ خود بیں دگر و عقلِ جہاں بیں دگر است
بالِ بلبل دگر و بازوئے شاہیں دگر است

دگر است آنکہ برد دانۂ افتادہ ز خاک
آنکہ گیرد خورش از دانۂ پرویں دگر است

دگر است آنکہ زند سیرِ چمن مثلِ نسیم
آنکہ در شد بہ ضمیرِ گل و نسریں دگر است

دگر است آنسوئے نُہ پردہ کشادن نظرے
ایں سوئے پردہ گمان و ظن و تخمیں دگر است

اے خوش آں عقل کہ پہنائے دو عالم با اوست
نورِ افرشتہ و سوزِ دلِ آدم با اوست

اس کے بعد ان سے کہنے کو جی چاہتا ہے کہ

چارہ ایں است کہ از عشق کشادے طلبیم
پیشِ او سجدہ گذاریم و مرادے طلبیم

لیکن اس خیال سے نگاہیں نیچے جھک جاتی ہیں کہ اگر انھوں نے یہ کہہ دیا کہ اگر تمہارے پاس ان مشکلات کا حل موجود ہے تو تم اس سے خود اپنی مصیبتوں کا علاج کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کا کیا جواب دیا جائے گا!

ہم نے قرآن کو چھوڑ کر نوعِ انسانی کو کس قدر عظیم نعمت سے محروم رکھ چھوڑا ہے، اس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ ہم اس خیال سے لرز اٹھتے ہیں کہ انسانیت اس روشنی کی محرومی سے جن تباہیوں کی طرف جا رہی ہے، اس کی کتنی بڑی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے!

مگر یہ کاپیاں لکھی جا چکی تھیں کہ برٹرینڈ رسل کے خط کے جواب میں مسٹر خروشچف کا خط اخبارات میں شائع ہوا۔ اس خط میں انھوں نے کہا ہے کہ

"بین الاقوامی کشیدگی کم کرنے کی غرض سے امریکہ کے صدر سے ملاقات کے بارے میں ان کی گورنمنٹ بھی بالکل تیار ہے۔ مگر ایسی ملاقات ہو سکے گی یا نہیں اس کا انحصار امریکہ کے قائدین پر ہے۔ اگر ایسی ملاقات ممکن ہو تو یہ صرف امریکہ اور روس کے صدر کی حد تک ہی نہیں بلکہ جملہ سرمایہ دارانہ مملکتوں اور اشتراکیوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوئی زیادہ مناسب ہوگی۔ انھوں نے اس سے بھی انکار نہیں کیا کہ بہ نسبت اختلافی مسائل کے ایسے مسائل زیادہ ہیں جہاں دونوں کے اغراض و مقاصد یکساں ہیں اور متصادم نہیں ہوتے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ہم مشرق یا مغرب کے کسی ملک کے مفادات کو نظر انداز کر کے امریکہ سے کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ بین الاقوامی کشیدگی میں انگلستان کا جو حصہ ہے اس کی انھوں نے خاص طور پر شکایت کی ہے اور کہا ہے کہ ان مشکلات کے حل میں برطانیہ کا رویہ مطلقاً امید افزا نہیں رہا ہے اُسے نیوکلیر اور ایٹمی ہتھیاروں کا اڈہ بنایا جا رہا ہے اور اگر انہیں روس کے خلاف کام میں لایا گیا تو انھیں سخت تدارک کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سوویٹ روس تو اپنی حد تک پوری کوشش کر رہا ہے کہ دوسرے مشرقی ممالک میں ان مہیب اسلحہ کی ترویج و اشاعت نہ ہو لیکن مغربی ممالک نے اس جانب کوئی توجہ نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان کی طرف سے پوری کوشش

(باقی صفحہ ۴۸ پر دیکھئے)

حقائق و عبر

ا۔ قیصر اور خدا

جمہوریۂ اسلامیہ پاکستانیہ کے محکمۂ نشر و اشاعت کی طرف سے ایک اعلامیہ شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ محکمۂ موسمیات کے ڈائرکٹر جنرل نے سنہ ۱۹۵۸ء کے دوران رویت ہلال کی امکانی تاریخیں حسب ذیل بتائی ہیں

قمری ماہ جس کی بابت رویت ہلال کی تاریخ بتائی گئی ہے	شمسی ماہ اور رویت ہلال کی تاریخ	قمری ماہ جس کی بابت رویت ہلال کی تاریخ بتائی گئی ہے	شمسی ماہ اور رویت ہلال کی تاریخ
رجب	۲۱ر جنوری	محرم	۱۸ر جولائی
شعبان	۱۹ر فروری	صفر	۱۶ر اگست
رمضان المبارک	۲۱ر مارچ	ربیع الاول	۱۴ر ستمبر
شوال	۲۰ر اپریل	ربیع الثانی	۱۴ر اکتوبر
ذیقعدہ	۲۰ر مئی	جمادی الاول	۱۲ر نومبر
	(۱۹ر مئی کو چاند نظر آنے کا کچھ امکان ہے)	جمادی الثانی	۱۱ر دسمبر
ذی الحجہ	۱۸ر جون		

ایک اسلامی مملکت کے محکمۂ موسمیات کی طرف سے رویت ہلال کے متعلق جو معلومات شائع ہوں، انہیں اس مملکت کے لئے مستند سمجھا جانا چاہیئے۔ لیکن اس کے بعد ہوگا یہ کہ مسجدوں میں حسب معمول۔ رویت ہلال کمیٹیاں بیٹھیں گی اور خود حکومت پاکستان اپنے دفاتر میں تعطیلات وغیرہ کے فیصلوں کے لئے، ان کمیٹیوں کے اعلان کا انتظار کریگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ (حسب معمول) ایک ہی شہر میں الگ الگ دنوں میں عید (وغیرہ کی) تقریبات منائی جائیں گی۔ سوال یہ ہے کہ اگر محکمۂ موسمیات کی طرف سے شائع شدہ معلومات قابلِ اطمینان ہیں تو حکومت انہیں واجب العمل کیوں نہیں سمجھتی اور اگر قابلِ سند مسجدوں کے اعلانات ہی ہیں تو پھر محکمۂ موسمیات کے اس اعلان کے معنی کیا ہیں؟

یاد رکھیے! جب تک "خدا اور قیصر" کی یہ دوعملی ختم نہیں ہوتی، دین کا مقام بلند تو ایک طرف، آپ صفِ انسانیت میں کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں ہو سکتے۔ زندگی کا اصول یہ ہے کہ

یا سراپا نالہ بن جا۔ یا فغاں پیدا نہ کر

۲۔ ہوئے تم دوست جس کے

اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ ایک عورت کو بندر کے ساتھ جنسی اختلاط سے حمل قرار پا گیا اور بچہ پیدا ہو گیا۔ اس پر ایک صاحب نے علمائے حیاتیات (BIOLOGISTS) سے دریافت کیا کہ کیا اس قسم کے اختلاط کا ایسا نتیجہ سائینٹفک نقطۂ نگاہ سے ممکن ہے؟ سائنسداں تو ابھی اس پر غور ہی کر رہے ہوں گے لیکن ایک صاحب قرآن کو بغل میں دابے ہوئے نکلے اور فتویٰ صادر فرمایا کہ ایسا کیوں ممکن نہیں؟ ان کا ارشاد ہے۔

> اس باب میں ایک عالم حیاتیات کا خیال کچھ ہی ہو۔ اس امکان کا ثبوت بالکل واضح ہے۔ بندر اور انسان ایک ہی نوع سے متعلق ہیں۔ ڈارون کے نظریہ کی رو سے نہیں بلکہ قرآن کی سند کے مطابق۔ سورۂ بقرہ (آیت ۶۵) میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی انہیں ذلیل و خوار بندر بنا دیا گیا تھا۔
>
> قرآن کی صداقت کا مزید ثبوت دورِ حاضر کی میڈیکل سائنس بھی بہم پہنچاتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے سرجن (جراح) عند الضرورت بندروں کے غدود انسانی جسم میں پیوست کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کی خاصیتیں اور افعال ایک جیسے ہیں۔

(پاکستان ٹائمز۔ ۵ دسمبر ۱۹۵۵ء۔ حصہ خطوط)

یہ ہیں قرآن کے وہ نادان دوست جن کی دوستی کے بدلے کسی دشمن کی حاجت نہیں رہتی۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ قرآن نے تو کہا ہے کہ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (۵:۶۰) ان میں سے بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے۔ تو کیا سؤر اور انسان بھی ایک ہی نوع سے متعلق ہیں؟ اس کے بعد ہے وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ (۵:۶۱) جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ حالانکہ جب وہ آتے ہیں اس وقت بھی بحالت کفر ہوتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو اس وقت بھی کفر کے ساتھ جاتے ہیں۔

کیا یہ صاحب ہمیں بتائیں گے کہ وہ کون سے بندر اور سؤر تھے جو اس انداز سے .... آیا جایا کرتے تھے؟ قرآن نے ان لوگوں کی ذہنیت (APISH MENTALITY) کو قِرَدَةً خَاسِئِينَ سے تعبیر کیا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ سچ مچ بندر بن گئے تھے۔ اور اس کے بعد نہایت محققانہ انداز سے اعلان فرمادیا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ انسان اور بندر ایک ہی نوع سے متعلق ہیں۔ —— ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو؟

۳۔ "خدا" رستہ کشی میں

امریکہ اور روس کی باہمی مخالفت کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ممالک ہر شعبۂ زندگی میں ایک

دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باہمی منافست اور مسابقت کی یہ دوڑ بڑھتے بڑھتے مذہب کے میدان تک بھی جا پہنچی ہے۔ چنانچہ امریکہ کے محکمہ نشریات سے ایک ہی تاریخ میں حسب ذیل دو اعلانات شائع ہوئے ہیں۔

(۱) مذہب کے خلاف ماسکو ریڈیو سے ایک اور تقریر

ماسکو ریڈیو نے پھر ایک طویل نشریہ کے ذریعہ ان نوجوانوں کو مخاطب کیا ہے جو مذہب کی طرف مائل ہیں۔ نشری تقریروں کا یہ سلسلہ ۲۴ نومبر سے شروع ہوا ہے جبکہ کیو یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ایک زمانہ میں وہ بڑا مذہبی تھا لیکن اب بے مذہب ہے۔

تازہ نشریہ میں مذہب پر عقیدہ رکھنے والوں کے خلوص پر شبہ کیا گیا ہے۔ نشریہ میں کہا گیا ہے کہ ہمارے ملک کی اکثریت ملحد اور بے دین ہے اور وہ بخوبی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ خدا کا کوئی وجود نہیں۔

"اشتراکی روس کی جو اقلیت مذہبی اجتماعات میں شرکت کرتی ہے وہ اس وجہ سے شرکت نہیں کرتی کہ وہ مذہب پر یقین رکھتی ہے بلکہ وہ مذہب کو ایک قسم کا تحفظ سمجھتی ہے۔ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ ان لوگوں کے شکوک اور شبہات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

دوسرا اعلان یہ ہے۔

(۲) امریکہ میں مذہبی سرگرمیوں میں اضافہ

ممتاز امریکی پادری ڈاکٹر رو رڈیل بارنس نے کہا ہے کہ امریکہ میں مذہبی سرگرمیاں جن میں گرجا کی رکنیت بھی شامل ہے برابر بڑھ رہی ہیں۔ انھوں نے گرجاؤں کی کونسل کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ ۱۹۵۶ء میں تین ہزار عبادت گھر تعمیر کئے گئے اس طرح اب عبادت گھروں کی تعداد تین لاکھ ۸ ہزار تک پہنچ گئی۔

گرجاؤں اور عبادت گھروں کی رکنیت میں گذشتہ سال کے مقابلہ میں تین فی صد اضافہ ہوا ہے۔ اور اب ارکان کی تعداد دس کروڑ سے بڑھ گئی ہے۔ اس کے علاوہ گذشتہ سال مختلف گرجاؤں کو دو ارب ڈالر کے عطیات دیئے گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ سائنسی دور میں گرجاؤں کا اہم کام لوگوں کو اخلاقی و روحانی قدروں سے روشناس کرانا ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ روس کی دہریت کا جواب' امریکہ کی 'خدا پرستی' کس طرح دے رہی ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ کرکٹ کی ٹیم میں گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں اور ایک دو (EXTRAS) جنھیں اس لئے ساتھ رکھا جاتا ہے کہ وہ بوقت ضرورت کام آجائیں۔ عربی لفظ ظِهْرِيًّا کا قریب قریب یہی مفہوم ہے۔ قرآن میں ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کو (معاذ اللہ) ظِهْرِيًّا کی حیثیت دے رکھی ہے (۱۱/۹۲) کہ جب حصول مقصد کے دیگر ذرائع ختم یا بیکار ہو جائیں تو خدا کو سامنے لے آیا جائے۔ امریکہ والوں کی خدا پرستی بس اسی قسم کی ہے ورنہ ان کی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں خدا کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

روس ہو یا امریکہ، جس خدا کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے وہ کہیں بھی نہیں۔ راہ ایک روس یا امریکہ ہی پر کیا موقوف ہے۔ وہ آج دنیا بھر میں کہیں نہیں ——— نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری!

۵۔ باادب۔ باملاحظہ۔ ہوشیار | کراچی سے مسٹر شبیر احمد خاں۔ زعیم انقلابی محاذ" کی طرف سے حسب ذیل گشتی مراسلہ شائع ہوا ہے۔

انقلابی محاذ پاکستان کی مسجد کے امام صاحبان کا ایک ستھا ندار اجتماع۔ بروز اتوار بتاریخ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بوقت ۱۰ بجے صبح بمقام جامع مسجد آرام باغ منعقد کر رہا ہے جس میں اس مسئلہ پر غور ہوگا کہ پاکستان میں سیاسی پارٹیوں کی حکومت کی بجائے مسجدوں کی حکومت قائم کی جائے۔

یہ اجتماع پاکستان میں اپنی نوعیت کا پہلا اجتماع ہے۔ اجتماع میں مسجدوں کے صرف امام صاحبان اور انقلابی محاذ کی مجلس شوریٰ کے ارکین شریک ہوں گے۔

جناب سے درخواست ہے کہ اس اسلامی اجتماع میں ضرور شریک ہوں۔ تاکہ پاکستان کے مسلمانوں کو مسجدوں کے ذریعہ متحد کر کے آمریت اور مغربی جمہوریت سے نجات دلانے کے لئے عملی قدم اٹھایا جائے۔ اجتماع کی صدارت کا مسئلہ شرکائے اجتماع کے مشورے سے طے ہوگا۔

شبیر احمد خان۔ زعیم انقلابی محاذ۔

یہ اجتماع ہوگا دیکھنے کے قابل! دلچسپ بات یہ ہے کہ ادارۂ طلوع اسلام میں یہ دعوت نامہ "حضرت مولانا غلام احمد پرویز صاحب" کے نام موصول ہوا ہے۔

۶۔ شاھد من اھلھا | طلوع اسلام کی دسمبر کی اشاعت میں ہم نے قادیانی مجلہ الفرقان سے ایک صاحب کا مضمون نقل کیا تھا۔ جس میں انہوں نے ثابت کیا تھا کہ مرزا صاحب "سو فیصدی نبی" ہیں۔ اس کے بعد ہمیں مجلہ "ثقافت" (لاہور) کا دسمبر کا پرچہ موصول ہوا جس میں ایک بڑی دلچسپ چیز نظر سے گذری۔ اس میں محترم حسن مثنیٰ صاحب نے "مشاہیر کے خطوط" کے سلسلہ میں قادیانیوں کے خلیفۂ اول (حکیم نورالدین صاحب) کے دو خط شائع کئے ہیں۔ ایک خط شاہ محمد سلیمان پھلواروی کے نام اور دوسرا ان کے فرزند اکبر شاہ حسن میاں کے نام۔ وہ اپنے پہلے خط میں اپنا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

میرا نام نورالدین ہے اور اس وقت قادیان میں مرزا قادیانی کے مریدوں کا مرجع ہوں۔

یہ تعارف بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ (تمہید اً یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مرزا صاحب کے خلیفۂ اول، حکیم نورالدین صاحب کے زمانہ میں مرزائیوں کا گروہ دو حصوں میں تقسیم نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت سب ایک ہی جماعت سے متعلق تھے۔ بالفاظ دیگر، اُس وقت تک ابھی ان میں یہ

بحث نہیں چلی تھی کہ مرزا صاحب نبی تھے یا مجدد ۔۔۔) اس تعارف سے یہ ظاہر ہے کہ

(۱) حکیم نورالدین صاحب مرزا غلام احمد صاحب کو صرف "مرزا قادیانی" لکھتے ہیں۔ انہیں "حضرت مسیح موعود" (وغیرہ) لکھنا تو درکنار! وہ کوئی تعظیمی لفظ تک بھی نہیں لکھتے۔

(۲) وہ قادیانیوں کو مرزا صاحب کا "مرید" لکھتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مرزا صاحب کی حیثیت ایک پیر سے کچھ زیادہ نہیں تھی اور پیر بھی ایسا جس کا نام لیتے وقت کسی تعظیمی کلمہ کی ضرورت نہ ہو۔ اسے صرف "مرزا قادیانی" کہا جائے۔

اس سے دو باتیں واضح ہیں۔ یا تو حکیم صاحب میرزا صاحب کو نبی ۔ مسیح ۔ مجدد ۔ وغیرہ کچھ نہیں مانتے تھے۔ انہیں صرف "مرزا قادیانی" سمجھتے تھے۔ اور یا ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے حلقہ میں مرزا صاحب کو سب کچھ مانتے تھے لیکن جب باہر والوں سے گفتگو کا اتفاق ہوتا تو اپنے عقیدہ کو چھپا کر مرزا صاحب کا اس طرح اہانت آمیز طریق سے ذکر کرتے تھے۔

معلوم نہیں قادیانی حضرات ان دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت کو صحیح تصور کرتے ہیں۔

(۳) پہلے خط میں حکیم صاحب نے شاہ ولی اللہ کی تفہیمات الٰہیہ کے مستعار دیکھنے کی درخواست کی ہے۔ نیز عبدالکریم الجیلی کی کتاب انسان کامل کی کسی شرح کی۔ دوسرے خط میں لکھا ہے کہ "اب مجھے کتب تصوف میں حلیہ ابونعیم اصفہانی اور شرح انسان کامل کا شوق باقی ہے۔ خیر کثیر ست دولی اللہ کا شوق تھا اگر کسی نے مجھے دیدیا ہیں تھا خیر کثیر ہندوستان میں نہیں۔" اس کے بعد لکھا تھا۔ "نیز باادب عرض ہے کہ حضرت فتوحات مکیہ کے بعض مقامات مجھ خاکسار کے فہم سے بالاتر ہیں۔ کیا اس کتاب کے ایسے مقامات پر کسی مقدس ومطہر انسان نے کچھ یادداشتیں لکھی ہیں"۔

اس سے واضح ہے کہ کیا مرزا صاحب اور کیا ان کے خلیفہ۔ یہ سب وحدت وجودی تصوف کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے اور انہوں نے رویا۔ مکاشفات۔ مبشرات۔ الہامات وغیرہ کے تصورات وہیں سے مستعار لئے تھے۔ نیز یہ کہ اس "خانۂ نبوت وخلافت" کے ہمہ آفتاب ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ فتوحاتِ مکیہ کے بعض مقامات تو نبی سمجھ سکے ہیں نہ خلیفہ سمجھ سکے ہیں۔ دعوےٰ ہے خدا سے براہ راست وحی پانے کا۔ اور قابلیت کا یہ عالم ہے!

جاتے جاتے ایک دلچسپ چیز بھی دیکھتے جائیے۔ فتوحات مکیہ ابن عربی کی کتاب کا نام ہے۔ حکیم صاحب اس کتاب کو "حضرت فتوحات مکیہ" لکھتے ہیں۔ اور دلچسپ ترین یہ کہ فتوحاتِ مکیہ کو تو حکیم صاحب حضرت کہہ کر پکارتے ہیں اور مرزا صاحب کو (جن کے یہ امتی بتائے جاتے ہیں) صرف "مرزا قادیانی"!

حقیقتیں بعض اوقات کس طرح غیر شعوری طور پر مصلحتوں کی پردہ دری کر دیتی ہیں۔

قربِ قیامت

زندہ اور فعّال قوموں کو دارو ئے بیہوشی پلانے کے لئے جن مختلف تدابیر کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک مؤثر حربہ یہ بھی ہے کہ ان میں یہ نفسیاتی کیفیت پیدا کر دی جائے کہ جب کوئی دوسری قوم قوت اور اقتدار حاصل کرے تو بجائے اس کے کہ ان کے دل میں یہ احساس بیدار ہو کہ ہمیں بھی اس قسم کے کام کرنے چاہئیں، ان کا ردِ عمل یہ ہو کہ یہ سب ابلیسی کارنامے ہیں جن کا نتیجہ جہنم کا عذاب ہوگا۔ یہی وہ حربہ تھا جسے سینٹ پال نے عیسائیوں کے خلاف استعمال کیا جس کی بنا پر ان میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ آسمان کی بادشاہت غریبوں کے لئے ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذر جانا ممکن ہے لیکن کسی دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہو جانا ناممکن۔

اس مقصد کے لئے جو حربے مسلمانوں کے خلاف عجمی سازش نے استعمال کئے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جب کبھی زندہ قوموں کے محیر العقول کارنامے سامنے آئیں تو جھٹ سے کہہ دیا جائے کہ یہ سب قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں۔ مطلب اس سے یہ کہ "اللہ والوں" کو ان باتوں سے دور دور رہنا چاہیئے۔

آجکل روس اور امریکہ کی طرف سے فضائی تسخیر کے سلسلہ میں نت نئی ایجادات کے اعلان ہو رہے ہیں۔ اس سے زندہ قوموں کے دل میں یہ ولولے بیدار ہو رہے ہیں کہ ہمیں بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہنا چاہیئے۔ لیکن ہمارے ارباب شریعت ہمیں خیر سے وہی پرانا سبق پڑھا رہے ہیں کہ یہ قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں۔ اس ضمن میں حسب ذیل شذرہ ملاحظہ فرمائیے جو جماعت اسلامی کے آرگن، المنیر کی ۱۳ دسمبر کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ عنوان ہے "کائنات پر قبضہ" اور شذرہ یہ ہے۔

> امریکہ کے نائب صدر مسٹر رچرڈ نکسن نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "اس وقت اعصابی جنگ کا مقصد یہ ہے کہ کائنات پر کس کا قبضہ ہوتا ہے"۔ ادھر روس کی ایک خبر رساں ایجنسی نے دعویٰ کیا ہے کہ روس کامیاب خلائی سفر کے بعد اب ایک مصنوعی سمندر تیار کرنے میں مصروف ہے جو دو ہزار مربع میل پر مشتمل ہوگا اور دنیا کا سب سے بڑا آبی ذخیرہ ہوگا۔
>
> یہ تیاریاں بتلا رہی ہیں کہ اس دوڑ کے آخری نتیجے وہی دو برآمد ہوں گے۔ جو دینی کتب میں بطور علامات قیامت بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا میں سب سے بڑی جنگ خدا کے منکروں اور خدا کے ماننے والوں کے مابین ہوگی جس میں انسانیت کی ہلاکت عام کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہزار میں سے ایک انسان زندہ بچ سکے گا۔ اور دوسرا نتیجہ یہ کہ بالآخر سرکش قومیں زمین پر کوس انا ولا غیری کے بعد آسمان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنا شروع کر دیں گی۔ اور جب نوبت اس حد تک پہنچے گی تو قہار و قادر خدائے غیور اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مسلمانوں کو کس طرح ان چیزوں سے نفرت دلائی جا رہی ہے۔

شذرہ کا آخری فقرہ بڑا دلچسپ ہے۔ یعنی وہی خدا جس نے انسان سے کہا کہ وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعاً (کائنات کی پستیوں اور بلندیوں۔ ارض و سماء میں جو کچھ ہے ہم نے سب تمہارے لئے تابع تسخیر

کردیا ہے) اس نے جب دیکھا کہ انسان کائنات کو مسخر کرتا جا رہا ہے، تو بجائے اس کے کہ وہ اس پر خوش ہوتا۔ اس کی غیرت جوش میں آگئی اور اس نے اپنی قہاریت کی آواز دیگر فیصلہ صادر فرما دیا کہ کائنات کو تباہ کر دیا جائے!

کتنا بڑا فرق ہے قرآن کے خدا اور ملّا کے ذہن کے تراشیدہ خدا میں!

بقیہ۔ فرنگ کی رگ گذر سیل بے پناہ میں ہے

(صفحہ ۴۱ سے آگے)

ہو رہی ہے کہ سارے شمالی یورپ کے ممالک ان اسلحے سے لیس ہو جائیں۔ اور جنگ کے لئے بالکل تیار رہیں۔ واحد علاج اس کشیدگی کو دور کرنے کا یہی ہے کہ نہ صرف ایٹمی اسلحہ کی ساخت بند کر دی جائے بلکہ اب تک جو ذخیرہ فریقین کے پاس جمع ہوا ہے وہ سب بیکار اور تلف کر دیا جائے۔ لارڈ رسل نے سب اقوام کو مل جل کر جیو اور جینے دو کی تجویز پر عمل کرنے کا جو مشورہ دیا ہے اُس سے روس کو بالکلیہ اتفاق ہے۔

مسٹر خروشچف نے آخر میں کہا ہے کہ اس امر کا فیصلہ کہ ہماری آئیڈیالوجی بہتر ہے یا امریکہ کی، قوت کے زور سے نہیں کرنا چاہیئے ہم دونوں کو نوعِ انسانی کے معیارِ زیست بلند کرنے میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ کونسا ملک نوعِ انسانی کے لئے زیادہ مفید ہے؟

(بحوالہ ڈان - ۱۹ دسمبر ۱۹۵۷ء)

اسبابِ زوالِ اُمّت

(دوسرا ایڈیشن)　　　از: پرویز

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری نکبت و زوال کے اسباب کیا ہیں اور ان کا علاج کیا؟

ضخامت ۱۷۲ صفحات

قیمت: دو روپے

اسلام کی سرگزشت

(مسلسل)

(محترم ڈاکٹر احمد امین مصری)

[گذشتہ اقساط میں عہدِ بنی امیہ کی علمی حرکات بیان کی جا رہی تھیں۔ دینی علوم کی گرم بازاری کے بعد تاریخی حرکت کا بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا تھا کہ اس پر غیر مسلم اقوام کس طرح اور کس کس نہج سے اثر انداز ہوئیں۔ خصوصاً یہودی، نصرانی اور ایرانی قوموں نے کیا کیا اثرات مرتب کئے۔ یہ بیان ہنوز جاری ہے]

یہ جملہ علمی حرکات ایک دوسری شاخ کی معاون و مددگار بنتی تھیں۔ مذاہب دینیہ والوں نے اپنی تعلیمات میں فلسفہ اور کتاب و سنت کی تعلیمات پر برابر اعتماد کیا اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ مفسرین، محدثین اور فقہاء نے قرآن و حدیث کے معانی و مطالب سمجھنے میں عربی شعر و ادب سے برابر استفادہ کیا ہے۔ مورخین اور واعظوں اور قصہ گویوں نے اپنی بعض معلومات میں برابر قرآن و حدیث سے مدد لی ہے۔ اس زمانہ میں ایسے بہت ہی کم لوگ تھے جن کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ وہ کسی خاص فن یا کسی خاص علم میں خصوصی امتیاز کے مالک (specialist) تھے۔ وہاں صرف تفسیر یا صرف حدیث کے عالم نہیں ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ دور تو ہر قوم میں اس وقت آتا ہے، جب ایک نظم و ضبط کے ساتھ تحقیق و تفتیش کا کام شروع ہو چکا ہو۔ ہم عہد جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، ابھی تک اس دور تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

مختلف حلقہ ہائے درس میں جو سبق دیئے جاتے تھے ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، لغت اور دینی مناظرے غرضیکہ ساری چیزیں ہی ہوا کرتی تھیں۔

بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ خلفائے بنو امیہ نے ان تینوں قسم کی علمی حرکات کا حوصلہ افزائی نہیں کی۔ البتہ انہوں نے لٹریری (ادبیہ) حرکت اور رسمی حلقہ ہائے وعظ و نصیحت کی حوصلہ افزائی ضرور کی۔ انہوں نے اپنے دروازے شعراء اور خطباء کے لئے ہمیشہ

کھلے رکھے۔ ان کے لئے بیش قرار اموال بھی خرچ کئے۔ مسجدوں میں پند و نصیحت کرنے کے لئے واعظوں کو متعین کیا مگر علما اور فلاسفہ کے لئے انھوں نے ان میں سے کوئی چیز نہیں کی۔ غالباً اس کی وجہ حسب ذیل تھیں۔

(اول) بنو امیہ کی حکومت جبر و قہر پر مبنی تھی۔ انھیں شعراء اور قصہ گو واعظوں کی زیادہ ضرورت تھی، کیونکہ یہی لوگ ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کا پروپیگنڈہ کر سکتے تھے۔ آج صحافت کا شعبہ اپنی اپنی پارٹی کے لئے جو کچھ خدمات انجام دیتا ہے بعینہٖ یہی کچھ اس زمانہ میں یہ شعراء اور قصہ گو واعظ سر انجام دیتے تھے یہی وجہ تھی کہ خلفاء بنی امیہ کے ہاں سوائے ان لوگوں کے جو ان کے مداح ہوں کوئی شخص رسوخ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ علوی اور زبیری وغیرہ شعراء خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ وہ ان سے محفوظ ہے۔

(دوم) بنو امیہ کا طبعی رجحان خالص عربی جاہلیت کا رجحان تھا جو فلسفہ اور دین کے مسائل میں عمیق بحث و تحقیق سے لطف اندوز ہونا نہیں جانتا تھا۔ وہ عمدہ اشعار، بلیغ خطبات، دلچسپ حکمت آموز باتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ مسعودی کا بیان ہے کہ "عبدالملک بن مروان شعر، فخر، تقریظ اور مدح کو بہت پسند کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے گورنروں کا بھی یہی حال تھا"۔ بنو امیہ کے اکثر خلفاء کا یہی حال تھا جو عبدالملک کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہم خالد بن یزید بن معاویہ کا استثناء کر سکتے ہیں کہ اس کا رجحان واقعی فلسفیانہ رجحان تھا — اس کے بارے میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں — اس کا ادبی ذوق بھی بہت اچھا تھا لیکن فلسفہ کا ذوق غالب تھا۔ امام جاحظ نے "البیان والتبیین" میں لکھا ہے کہ

"خالد بن یزید بن معاویہ خطیب، شاعر، فصیح و بلیغ، جامع شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ساتھ ہی نہایت جید الرائے اور کثیر الادب شخصیت بھی تھے۔ مسلمانوں میں یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے نجوم، طب اور کیمیاء کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور کرایا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خلفائے بنو امیہ میں سے ہم عمر بن عبدالعزیزؒ کا استثناء کر لیتے ہیں کہ ان کا رجحان خالص دینی رجحان تھا۔ شعراء کو ان کے دروازے سے کبھی کچھ نہیں ملتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے خلیفہ ہو جانے کے بعد ایک روز نصیب شاعر نے باریابی چاہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔ اے اسود! تم کیا وہی شخص ہو جو اپنے غزلیہ اشعار سے عورتوں کو بدنام کرتے پھرتے ہو۔ نصیب نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں نے اب یہ شغل چھوڑ دیا ہے اور خدا سے عہد کیا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی کوئی بات نہیں کہوں گا۔ حاضرین دربار نے بھی اس کی شہادت دی کہ واقعی نصیب نے اب یہ باتیں قطعاً چھوڑ دی ہیں۔ تب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو عطیہ مرحمت فرمایا۔

خالد اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو چھوڑ کر جب ہم دوسرے خلفائے بنو امیہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں فلسفیانہ، دینی اور تاریخی حرکتوں میں ان کی طرف سے حوصلہ افزائی کا کوئی بڑا اثر نہیں ملتا جیسا کہ عباسی خلفاء کے دور میں ان کی حوصلہ افزائی کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سہ گانہ حرکات خود اپنے زور دروں سے نشو و نما پاتی رہیں۔ دینی حرکت کا باعث تو خود مذہب تھا جو اس زمانہ میں بڑا قوی باعث تھا۔ رہ گئی فلسفیانہ حرکت تو واقعہ یہ ہے کہ بنو امیہ کے آخری دور حکومت میں

لوگ یہود ونصاریٰ سے مناظرہ ومباحثہ کرنے کے لئے فلسفے سے کام لینے کے لئے خود ہی مجبور ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں خود اسلامی فرقوں کو آپس میں بحث ومناظرہ کے لئے بھی اسکی شدید ضرورت تھی۔ رہ گئی تاریخی حرکت تو اس پر بھی ایک طرح سے دینی رنگ چڑھا ہوا تھا

اس زمانہ میں علم ـــــ اور خصوصاً دینی علم ـــــ مسجدوں میں پڑھایا جاتا تھا استاد مسجد میں بیٹھ جاتا تھا اور اسکے شاگرد ایک حلقے کی شکل میں اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے۔ استاد کی قدر وعظمت کے بموجب یہ حلقہ بڑا بھی ہوتا تھا اور چھوٹا بھی۔ چنانچہ علامہ سیوطی الاتقان میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کعبے کے صحن میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور ان کے گرد لوگوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا جو قرآن کریم کی تفسیر کے متعلق ان سے سوالات کرتے تھے۔ ابن خلکان بیان کرتے ہیں کہ امام ربیعۃ الرائے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیٹھ جایا کرتے تھے امام مالک حسن بصری اور مدینہ منورہ کے اشراف واعیان آتے اور لوگ انھیں گھیرے میں لے لیتے تھے۔ ان کا حلقہ بھی کافی بڑا ہوا کرتا تھا یہی حال بصرہ کی مسجد میں امام حسن بصری کے حلقہ کا ہوا کرتا تھا۔ بعض مسجدوں میں کئی کئی حلقے ہوا کرتے تھے۔ ہر حلقہ کا ایک شیخ اور استاد ہوا کرتا تھا جیسا کہ مورخین بیان کرتے ہیں عمرو بن عبید اور کچھ اس کے ساتھی امام حسن بصری کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے بعد میں وہ ان سے الگ ہو گئے اور انھوں نے اپنا ایک الگ حلقہ بنا لیا۔ امام جعفر صادقؒ بھی مدینہ منورہ میں یہی کچھ کرتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق کو کیمیا، کہانت اور فال میں بھی دسترس تھی۔ اس قسم کے لوگ بے شمار تھے جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے جنھوں نے مسجدوں کو مدرسے بنا رکھا تھا جہاں وہ مختلف علوم وفنون کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ میں نے تاریخ میں کوئی ایسی شہادت نہیں دیکھی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں نے اس عہد میں تحصیل علم کے لئے الگ خاص مدرسے بنائے ہوں بجز مقریزی کی اس روایت کے کہ انھوں نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ "عبداللہ ابن ام مکتوم ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ تشریف لائے ـــــ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بدر کے کچھ ہی بعد آگئے تھے ـــــ بہرحال جب وہ مدینہ منورہ میں آئے تو یہاں دار القراء میں اترا کرتے تھے۔" لیکن ہمیں اس دار القراء کے متعلق بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا یہ جگہ درس وتدریس کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی یا نہیں۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب "مختصر تاریخ العرب" میں بیان کیا ہے کہ "حر بن یوسف بن الحکم بن ابی العاص ابن امیہ نے ـــــ جو ہشام بن عبد الملک کی طرف سے موصل کے گورنر تھے ـــــ موصل میں ایک مدرسہ بنایا تھا۔" لیکن سید امیر علی نے اپنی اس روایت کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ابن الاثیر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس حر بن یوسف نے ایک عمارت بنوائی تھی جس کا نام منقوشہ تھا۔ یہ عمارت ایک محل تھا جس میں وہ خود رہا کرتا تھا۔ اس کا نام منقوشہ اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس میں ساگوان، سنگ مرمر اور رنگ برنگے نگینوں سے نقش ونگار بنائے گئے تھے۔ ابن الاثیر نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس نے کوئی مدرسہ بنوایا تھا۔ جو کچھ ہمیں معلوم ہو سکا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ بعض وہ مدرسے جو مختلف شہروں میں فتح اسلامی سے پہلے چلے آ رہے تھے وہ فتح اسلامی کے بعد علی حالہ قائم رہے جیسا کہ سریانیوں کے بعض مدارس کا پتہ چلتا ہے لیکن خلفائے بنو امیہ کے متعلق ہمیں ایسی کوئی شہادت نہیں ملی کہ انھوں نے خود مدرسے قائم کئے ہوں البتہ ان کے دور میں علمی درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو یا تو مسجدوں میں جاری تھا یا لوگوں کے اپنے اپنے مکانات پر۔

تدوین

بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ علوم و اخبار کی تدوین دوسری صدی ہجری کے وسط کے بعد سے شروع ہوئی تھی۔ یہ چیز ہمارے نزدیک بداہۃً غلط ہے۔ کیونکہ تدوین کا دور پہلی صدی ہی میں شروع ہو چکا تھا بلکہ یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ عربوں میں اسلام سے پہلے بھی تدوین کا وجود ملتا ہے لیکن یہ تدوین زیادہ تر متمدن شہروں میں ہی ملتی تھی جیسے یمن اور حیرہ البتہ سرزمین حجاز میں بہت کمی کے ساتھ۔ بنو حمیر نے یمن میں اپنے اخبار و حوادث کو بکثرت مدون کیا ہوا تھا۔ بلکہ انھیں پتھروں پر نقش کر کھڈا تھا۔ چنانچہ ان کے یہ آثار وقتاً فوقتاً دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ ہم یہ حدیث پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوید بن الصامت سے ملاقات ہوئی تو اس کے پاس لقمان حکیم کا ایک مجلہ تھا یعنی ایک کتاب تھی جس میں لقمان کی حکم و بصائر لکھی ہوئی تھیں۔ جب اسلام آیا تو رسول اللہ صلعم نے کاتبین وحی کو مقرر فرمایا جو وحی خداوندی کو جھلیوں، پسلی کی ہڈیوں اور کھجوروں کے پتوں اور باریک سفید پتھروں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ پھر ان صحائف کو ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں جمع کیا گیا۔[1] بعض صحابی رسول اللہ صلعم کی احادیث کو لکھ لینے کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاص کہ وہ جو کچھ رسول اللہ صلعم سے سنتے تھے اس کو مدون کر لیا کرتے تھے۔ ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلعم کے صحابہ میں سے کسی صحابی کو اپنے سے زیادہ حدیثیں لکھنے والا نہیں دیکھتا سوائے عبداللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ نیز خود عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلعم سے سنتا تھا اس میں سے جسے یاد رکھنا چاہتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا۔ (الحدیث) بلکہ آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ نبی اکرم صلعم نے بعض صحابہ کو یہ رغبت دلائی تھی کہ وہ عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھ لیں تاکہ ان زبانوں میں رسول اللہ صلعم کے خطوط لکھے جا سکیں۔

یہ تو قرآن، احادیث اور رسول اللہ صلعم کے ان خطوط کے لکھے کا بیان تھا جو آپ کی طرف سے اطراف و جوانب میں بھیجے جاتے تھے اس کے تھوڑے زمانہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے دوسرے موضوعات پر بھی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن الندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں لکھا ہے کہ عبید بن شریہ جرہمی جو امیر معاویہؓ کے زمانہ میں گزرا ہے۔ اس نے رسول اللہ صلعم کے زمانہ کو بھی پایا ہے مگر وہ آپ سے کچھ سن نہیں سکا تھا۔ جب امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو امیر معاویہؓ نے اس سے پچھلے لوگوں کے واقعات اور عرب و عجم کے بادشاہوں کے کوائف دریافت کئے نیز متفرق اقوام کی متفرق زبانیں بن جانے اور لوگوں کے مختلف ممالک اور مختلف شہروں میں پھیل جانے کے متعلق سوالات کئے۔ امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو صنعاء یمن سے بلوایا تھا عبید بن شریہ نے ان تمام امور کے جوابات دیئے۔ جس پر امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ اس کے یہ تمام جوابات کتابی شکل میں لکھے جائیں اور انہیں عبید بن شریہ کی طرف ہی منسوب کیا جائے۔ یہ عبید عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک زندہ تھا۔ اس کی کئی کتابیں ہیں جن میں

---

[1] اس کے متعلق طلوع اسلام میں بار بتفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ جمع قرآن کے متعلق یہ نظریہ قطعاً غلط ہے جمع قرآن کی ان روایات پر جو اس نظریہ کی اساس و بنیاد ہیں طلوع اسلام میں مفصل تنقید و تبصرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا ہمیں مصنف کے اس بیان سے اختلاف ہے۔ طلوع اسلام

سے ایک "کتاب الامثال" اور دوسرے "کتاب الملوک واخبار الماضیین" خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح وہ ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ "صحار عبدی، خارجی تھے۔ اور امیر معاویہ کے عہد خلافت کے نسب داں اور خطیبوں میں سے ایک تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلعم سے دو تین حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ ان کی کئی کتابیں ہیں جن میں سے کتاب الامثال خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہے۔

ابن الندیم تیسرے مقام پر کہتے ہیں کہ "الحدیثہ" شہر میں ایک آدمی تھا جس کا نام محمد بن الحسین تھا اسے کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس کی ایک لائبریری تھی کہ میں نے اس جیسی کسی کی لائبریری نہیں دیکھی۔ اس لائبریری میں بہت سی عربی کی کتابیں تھیں جن کا موضوع، نحو، لغت، اور ادب تھا اور بہت سی پرانی کتابیں بھی تھیں۔ میں اس آدمی سے بار بار ملتا تھا تا آنکہ وہ مجھ سے مانوس ہو گیا۔ یہ شخص بہت تنہائی پسند اور اپنے ذخیرۂ علمی کے متعلق بڑا ہی بخیل تھا۔ اسے بنو حمدان کی طرف سے ہمیشہ اندیشہ رہتا تھا۔ اس نے میرے لئے ایک بڑا صندوق نکالا جس میں تقریباً تین سو رطل کی ہموزن کھالیں، جھلیاں اور کاغذ تھے۔ چینی اور تہامی کاغذ بھی تھا اور چمڑے کی کھالیں بھی، ان پر عربوں کی تحریرات تھیں۔ ان کے وہ قصیدے تھے جو ان کے مشہور اشعار کے علاوہ تھے۔ کچھ نحو، حکایات، اخبار، اسمار اور انساب کے متعلق تحریرات تھیں اور ان کے علاوہ عربوں کے دیگر علوم کے متعلق بھی بہت کچھ تھا۔ میں نے اسے دیکھا اور الٹ پلٹ کی مجھے بڑا ہی تعجب ہوا۔ البتہ زمانہ نے انھیں بوسیدہ اور خراب کر دیا تھا۔ ہر جز یا ہر ورق پر یکے بعد دیگرے علماء کی اپنے خطوط میں لکھی ہوئی شہادتیں درج تھیں۔ اس ذخیرہ میں میں نے ایک قرآن کریم کا نسخہ دیکھا جو خالد بن ابی الہیاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ یہ خالد حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے۔ میں نے ان میں ہر دو ائمہ یعنی امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے خطوط بھی دیکھے۔ نیز میں نے اس شخص کے پاس خود امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے عہد نامے اور امانت نامے بھی دیکھے۔ علاوہ ازیں حضور اکرم صلعم کے دوسرے کاتبین وحی کی تحریرات بھی دیکھیں نیز نحو اور لغت کے بعض ائمہ مثلاً ابو عمرو ابن العلاء اور ابو عمرو الشیبانی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرات بھی دیکھیں ......

نیز میں نے وہ تحریر بھی دیکھی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نحو ابوالاسود ہی سے نقل کی گئی ہے۔ یہ چینی ورق کے چار صفحوں کی ایک مختصر سی تحریر تھی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "یہ تحریر ہے جس میں فاعل اور مفعول سے گفتگو کی گئی ہے جو ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ سے منقول اور یحییٰ بن یعمر کے خط میں لکھی ہوئی ہے۔" اس خط کے نیچے ایک پرانے خط میں یہ تحریر بھی تھی۔ "یہ علان نحوی کی تحریر ہے" اور پھر اس کے نیچے لکھا ہوا تھا: "یہ نضر بن شمیل کی تحریر ہے۔" جب یہ شخص مر گیا تو وہ صندوق ہمیں نہیں ملا اور نہ اس کے اندر جو تحریرات تھیں وہ مل سکیں۔ ہمیں ان کی خبر بھی نہیں مل سکی۔ اس صندوق میں سے مصحف کے علاوہ اور کوئی چیز دیکھنے کو نہیں ملی حالانکہ میں نے ان چیزوں کی بہت کافی تلاش کی۔" آہ مختصراً۔

یہ کچھ تو صحابہؓ کے عہد میں تھا۔ اس کے بعد جب تابعین اور ان کے بعد کا زمانہ آیا تو فتوحات اور اسلام میں متمدن قوموں کے داخلہ اور وسیع تشریعی ضرورتوں کی وجہ سے علمی حرکت میں کافی اضافہ ہوا کیونکہ حضارت اور مدنیت نے مسلمانوں کو ان نئے حوادث

روائتیات سے دوچار کر دیا تھا جو اس سے پہلے موجود نہیں تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں تدوین و تالیف کی طرف مسلمانوں کا رجحان کافی بڑھ گیا تھا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہب بن منبہ نے جن کا انتقال سنہ ۱۱۰ھ میں نوے سال کی عمر میں ہوا تھا۔ ایک کتاب تاجداران حمیر کے حالات و کوائف اور دیگر واقعات نیز ان کے مقبروں اور اشعار سے متعلق تصنیف فرمائی تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ ہشام ابن عروہ ابن زبیر نے بیان کیا کہ ان کے والد ماجد نے یوم حرہ (مدینہ منورہ پر حملہ کا مشہور واقعہ) میں اپنی بہت سی کتابیں جو فقہ سے تعلق رکھتی تھیں جلا دی تھیں اور بعد میں اپنے اس اقدام پر افسوس کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ وہ کتابیں آج میرے پاس موجود ہوتیں تو مجھے ان کی قدر اس سے کہیں زیادہ ہوتی جتنی اس سے ہو سکتی ہے کہ میری اولاد اور مال و دولت دوگنا کر دیا جائے۔[1]

ابن سعد ایک دوسرے مقام پر عبدالرزاق سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے معمر کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت کافی علم حاصل کیا ہے تا آنکہ جب ولید کو قتل کیا گیا تو اس کے خزائن میں سے بے اندازہ کتابیں نکلیں جنہیں جانوروں پر لاد کر لے جایا گیا ــــ معمر کہتے تھے کہ ــــ یہ سب کتابیں زہری کے علوم پر مشتمل تھیں۔[2]

آغانی کا بیان ہے کہ عبدالحکیم بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان جمحی نے (جو بنو امیہ کے عہد حکومت میں گذرے ہیں) ایک مکان بنوایا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے شطرنج، نرد، چوسر اور مختلف قسم کی کتابیں جمع کی تھیں جو ہر علم و فن سے تعلق رکھتی تھیں۔ دیواروں پر کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ جو آدمی آتا اپنے کپڑے اتار کر ان پر ٹانگ دیتا اور کوئی سی کتاب نکال کر پڑھنا شروع کر دیتا یا کوئی سا کھیل لے کر کھیلنا شروع کر دیتا۔[3]

یہ اس محفل کی صورت تھی جس میں کھیل کا سامان اور پڑھنے کی کتابیں سب ہی موجود تھیں۔ اس مکان میں کھیل بھی ہوتا تھا اور کتابوں کا مطالعہ بھی۔

نیز ابن خلکان کہتے ہیں کہ ابن شہاب زہری جب اپنے مکان میں بیٹھتے تو اپنی کتابوں کو اپنے ارد گرد رکھ لیتے اور ان میں مشغول ہو کر دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔ ایک روز ان کی بیوی نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم تمہاری یہ کتابیں مجھ پر تین سوتنوں سے بھی زیادہ گراں ہیں۔ امام زہری کا انتقال سنہ ۱۲۴ھ میں ہوا۔

ابو عمرو بن العلاء جن کی پیدائش سنہ ۷۰ھ کے لگ بھگ ہے ــــ کی کتابیں جو انہوں نے فصحائے عرب سے لکھی تھیں اتنی تھیں کہ ایک پورا کمرہ تقریباً چھت تک ان سے پُر ہو گیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد ان پر تصوف اور زہد کا غلبہ ہوا تو ان تمام کتابوں کو انہوں نے الگ کر دیا۔[4] تصوف اور زہد کا غلبہ جب جاتا رہا اور اپنے پرانے علوم کی طرف دوبارہ توجہ ہوئی تو ان کے پاس ایک کتاب بھی نہیں رہی تھی۔ بجز ان چیزوں کے جو ان کے حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں۔ وہ عام واقعات ان اعرابیوں سے نقل کرتے تھے جنہوں نے زمانۂ جاہلیت پایا تھا۔

۱؎ ص ۱۳۳ ج ۱، ۵۲۔ ۲؎ ابن سعد ص ۱۳۶ ج ۲ حصہ دوم۔ ۳؎ اغانی ص ۵۲ ج ۳۔ ۴؎ شاید ان کو جلا دیا ہو۔

ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں کہ خالد بن یزید بن معاویہ نے تین رسالے علم کیمیا، اور اس کے متعلقات پر تصنیف فرمائے تھے۔ ابن الندیم نے بیان کیا ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ایک کتاب علم الانساب اور عربوں کی ہجو پر لکھی تھی۔ اس کتاب میں زیاد نے عربوں کے انساب پر طعن کیا تھا، کیونکہ عرب کے لوگ اس کے نسب پر طعن کیا کرتے تھے۔

یہ اور ان جیسے لوگ بنو امیہ کے عہد حکومت میں موجود تھے۔ ان واقعات سے اگرچہ ان میں سے بعض واقعات محل نظر ہیں فی الجملہ اتنا تو معلوم ہو ہی جاتا ہے کہ تصنیف و تالیف اور تدوین صرف عباسی عہد حکومت ہی میں شروع نہیں ہوئی جیسا کہ بعض لوگ سمجھے بیٹھے ہیں بلکہ وہ عباسی دورِ حکومت سے کہیں پہلے شروع ہو چکی تھی ـــــ اس زمانے کے جو آثار ہم تک پہنچے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تدوین کی ابتدا محض کسی علم کو ضبط تحریر میں لانے سے ہوئی تھی۔ اس میں مؤلف کی شخصیت وغیرہ کا کوئی اظہار نہیں ہوتا تھا۔ ان کا کام اس عہد میں صرف اتنا تھا کہ وہ ان چیزوں کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ اس زمانہ میں کتابیں دراصل ان صحیفوں کو کہتے تھے جن پر کچھ لکھا جا سکے۔ یہ صحیفے بعض اوقات الگ الگ اور بکھرے ہوئے بھی ہوتے تھے۔ جب ایرانی اور رومی لوگ اسلام میں داخل ہوئے ـــــ یہ لوگ قدیم زمانے سے متمدن چلے آتے تھے اور ان کی تالیف شدہ کتابیں پہلے سے بھی موجود تھیں ـــــ تو انھوں نے عربی زبان سیکھ کر عربی زبان میں کتابوں کی تصنیف و تالیف کا نظام اس معنے میں قائم کیا جسے ہم آج تصنیف و تالیف سمجھتے ہیں۔ یعنی ایک موضوع سے متعلق مضامین کو ایک کتاب میں جمع کر دینا۔

لیکن بنو امیہ کے عہد حکومت میں جو کچھ لکھا گیا۔ اس میں سے ہمارے ہاتھوں تک بہت ہی کم پہنچا ہے۔ زیادہ تر یہ کتابیں علمائے روایت کے طریقہ پر نقل کی گئی ہیں جو بعد میں چل کر عباسی عہد کی کتابوں میں گھل مل گئیں کیونکہ اس عہد کی کتابیں نظام کے اعتبار سے زیادہ مکمل اور فن تالیف میں زیادہ ترقی یافتہ ہوتی تھیں۔ اموی عہد کی بعض کتابیں عباسی دورِ حکومت میں بلکہ اس کے بعد تک ملتی تھیں۔ چنانچہ ابن الندیم کا بیان ہے کہ اس نے ابو الاسود دؤلی کے علم نحو سے متعلق رسالہ کے صفحات دیکھے ہیں نیز اس نے ضرب الامثال کے فن پر عبید ابن شریہ کی کتاب بھی دیکھی ہے۔ ابن خلکان کہتے ہیں کہ انھوں نے تاریخ یمن سے متعلق وہب ابن منبہ کی کتاب دیکھی ہے۔ لیکن ہمارے زمانہ تک کوئی ایسی چیز نہیں پہونچ سکی جس کی صحت پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ جو چیزیں پہونچی ہیں ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

اس عہد میں علمی حرکت کا یہ اجمالی بیان تھا۔ اس کی بعض تفصیلات آئندہ ابواب میں بھی آ رہی ہیں۔

اسبابِ زوالِ اُمّت ـــ از ـــ **پرویز** ـــــــ دوسرا ایڈیشن

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری نکبت و زوال کے اسباب کیا ہیں؟ اور ان کا علاج کیا؟

ضخامت ۱۷۲ صفحات ـــــــ قیمت ۱۰ دو روپے

قرآنی انقلاب کا صحیح تصور

ان کتابوں سے پیدا ہو سکیگا

معراجِ انسانیت — حضور صلعم کی ذات اقدس، و اعظم شرف و مجد انسانیت کے کس بلند مقام پر فائز تھی اسے قرآنی آئینہ میں دیکھیے کی پہلی اور کامیاب کوشش مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ سیرت مقدسہ کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد۔ قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم — سب سے پہلا انسان کس طرح پیدا ہوا ارتقاء، جنات، ملائکہ، وحی، شیطان اور ابلیس جیسے اہم مباحث کے لئے سلسلہ معارف القرآن کی اس پہلی کڑی کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ بڑی تقطیع کے ۳۷۶ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے

جوئے نور — کاروان نبوت کے درخشندہ ستاروں یعنی حضرات انبیائے کرام از حضرت نوحؑ تا حضرت شعیبؑ کے تذکار جلیلہ پر تفصیلی کتاب۔ سلسلہ معارف القرآن کی دوسری کڑی۔ سائز ۲۲×۲۹ ۳۶۸ صفحات قیمت چھ روپے

انسان نے کیا سوچا؟ — زندگی کے اہم مسائل کے حل کے لئے انسانی فکر نے کیا کیا کوششیں کیں، اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ بیش بہا معلومات کا ذخیرہ۔ سائز ۲۲×۲۹ ۳۶۸ صفحات۔ قیمت دس روپے

سلیم کے نام خطوط — مذہب کے متعلق نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں جو شکوک و شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں ان کا نہایت شگفتہ اور مدلل جواب بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات۔ قیمت چھ روپے

فردوسِ گم گشتہ — ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا ہے اور فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ کتاب۔ بڑا سائز ۴۱۲ صفحات۔ قیمت چھ روپے

نظامِ ربوبیت — نوع انسانی کا سب سے اہم اور مشکل سوال اس کا معاشی مسئلہ ہے، اس مسئلہ کا حل عقل انسانی نے کیا سوچا اور قرآن نے اس کا حل کیا بتایا ہے۔ دور حاضر کی عظیم کتاب۔ بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات
قیمت قسم اول مجلد: چھ روپے۔ قسم دوم غیر مجلد چار روپے

اسبابِ زوالِ امت — (دوسرا ایڈیشن) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری نکبت و زوال کے اسباب کیا ہیں، اور ان کا علاج کیا؟ ۱۷۲ صفحات۔ قیمت دو روپے

(یہ تمام کتابیں محترم پرویز صاحب کے تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہیں)

ملنے کا پتہ: ناظم ادارہ طلوع اسلام ۱۵۹/۳- ایل پی۔ ای۔ سی۔ ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی نمبر ۲۹

سلسلۂ اصلاح و تذکیر

(محترم عمر احمد صاحب عثمانی)

قرآنی معاشرہ

باہمی تعلقات کے متعلق قرآن کی تعلیم

(۱۵)

[اس مضمون کی گذشتہ گیارہ اقساط میں یہ بتایا گیا تھا کہ اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ۔ والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ۔ بھائی بہنوں کو آپس میں اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ۔ نیز قرابت داروں کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ اور ان کے حقوق و واجبات کیا ہیں؟ پھر بارھویں تیرھویں اور چودھویں قسط میں بتایا گیا کہ عام مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے اور ان کے ایک دوسرے پر کیا حقوق و واجبات ہیں؟ یہ بیان ہنوز جاری ہے۔ طلوع اسلام]

اس اصول کو قرآن کریم نے کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ انعام میں ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ ..... (۶/۱۵۲)

معاشرہ میں جو یتیم تمہارے حوالے ہوں ان کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو حسن کارانہ انداز سے ہو۔ تاآنکہ وہ جوان ہو جائیں اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ ہم کسی نفس کو اس کی کشائش کے علاوہ کسی اور بات کی تکلیف نہیں دیتے۔

یہاں اس حکم کے ساتھ کہ ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا ہونا چاہیئے۔ یہ بھی بتا دیا کہ ایسا کرنے سے نفس انسانی (PERSONALITY) میں کشائش اور وسعت پیدا ہوتی ہے جس کے لئے اس حکم پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے۔ سورۃ شعراء میں ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۝ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۝ وَلَا
تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (۲۶/۱۸۱-۱۸۳)

ناپ پورا پورا کرو۔ اس میں کمی کرنے والے نہ بن جاؤ۔ اور متوازن ترازو سے وزن کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں (حقوق) ادا کرنے میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو۔

چیزوں اور حقوق کی ادائیگی میں عدل و انصاف کو قائم رکھنا اور ان میں کمی نہ کرنا ہی امن و سکون کا ضامن ہے۔ خدا کی سرزمین میں فساد اسی وقت پھیلتا ہے جب انسانوں کے سر پر مفادِ خویش کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں سے چیز یا کام لیتے وقت کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حاصل کر لیں۔ اور جب اس کے بدلے میں چیز یا معاوضہ دینے کا وقت آتا ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچا لیا جائے۔ یہی انسان کی وہ خود غرضی ہے جس سے نظامِ سرمایہ داری جنم لیتا ہے۔ سورہ تطفیف میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ اِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَاِذَا كَالُوهُمْ
اَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ (۸۳/۱-۳)

حقوق انسانی میں ان کمی کرنے والوں کے لئے تباہی اور بربادی ہے کہ جب وہ دوسرے لوگوں سے ناپ کر لینے لگتے ہیں تو پورا پورا تولتے ہیں۔ لیکن جب انھیں ناپ کر یا تول کر دینے لگتے ہیں تو کمی کرنے لگتے ہیں۔

عام طور سے ہمارے تجارتی حلقوں میں اس اصول کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اضعافاً مضاعفہ نفع خوری ہمارے ہاں عام ہوتی جا رہی ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ تجارت میں یہ سب چیزیں جائز ہیں۔ ہم اپنا مال جس قیمت پر چاہیں فروخت کر سکتے ہیں جسے ضرورت ہے اور وہ منہ مانگی قیمت ادا کرنے پر راضی ہو وہ ہم سے مال خریدے۔ ہم لوگوں کو مجبور تو نہیں کرتے کہ وہ ہم سے دوگنی تگنی قیمت پر ہماری چیزیں خریدیں جسے ہزار مرتبہ ضرورت پڑتی ہے وہ خوشامد کر کے خریدتا ہے۔ اسلئے یہ کوئی ظلم نہیں اور نہ ناجائز ہے۔ ہمارے مولوی صاحبان کے فتووں نے اس فتنہ کو اور بھی ہوا دی ہے۔ اور یہ فتنہ آج اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ملک کی ننانوے فیصدی آبادی روز افزوں گرانی سے عاجز اور تنگ آ چکی ہے۔ قرآن کریم نے ان جرائم کو خطرناک ترین جرائم میں شمار کیا ہے۔ ان جرائم کی سنگینی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قوم مدین کی طرف (جن میں یہ جرائم کافی بڑھ چکے تھے) ایک نبی (حضرت شعیب علیہ السلام) کو اسی اصل الاصول کی تبلیغ کے لئے مبعوث کیا گیا۔ اور جب یہ قوم اپنی حرکات سے باز نہیں آئی تو بالآخر پوری قوم کو صفحۂ ہستی سے یوں نیست و نابود کر دیا گیا کہ آج ان کی داستانیں بھی کہیں نہیں ملتیں۔ سورہ اعراف میں ہے

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۷ : ۸۵)

اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ میری قوم کے لوگو! اللہ کی محکومیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا آقا اور حاکم نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ لہٰذا (اس دلیل آجانے کے بعد تو) ناپ تول پورا پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں دینے میں کمی نہ کرو۔ اور زمین میں درستی کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔

سورۂ ہود میں ہے۔

وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۖ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِنِّيْ أَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّإِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (۱۱ : ۸۴-۸۶)

اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے ان سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! خدا ہی کی محکومیت (اطاعت و محکومیت) اختیار کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا آقا اور حاکم نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خوش حال ہو (خدا نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے) میں ڈرتا ہوں کہ (اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو) تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب کو اپنے گھیرے میں لے لے۔

اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں (اور حقوق) کم نہ دو۔ ملک میں شر اور فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اگر تم میری بات پر یقین کرنے والے ہو تو جو کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں جائز طریقے سے) بچ رہے وہ تمہارے لئے (اس چوربازاری کی کمائی سے) کہیں بہتر ہے۔ اور دیکھو (میرا کام تو محض اتنا ہے کہ میں تمہارے ان بداعمالی کے نتائج سے تمہیں آگاہ کردوں) میں کچھ تم پر نگہبان نہیں ہوں (کہ جبراً اپنی بات منواؤں)

سورۂ شعراء میں ہے۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (۲۶ : ۱۸۱-۱۸۳)

ناپ پورا پورا کرو اور کمی کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اور متوازن اور درست ترازو سے وزن کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔

مگر اس قوم پر حضرت شعیب کی ان تنبیہات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی۔ آخر حضرت شعیبؑ نے قوم کو متنبہ کیا

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ (11/89)

اور اے میری قوم کے لوگو! میری ضد میں آکر کہیں کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ کہیں تمہیں بھی ویسی مصیبت پیش آجائے جیسی قوم نوحؑ کو، یا قوم ہودؑ کو یا قوم صالحؑ کو پیش آچکا ہے۔ اور قوم لوطؑ (کا معاملہ) تو تم سے کچھ دور بھی نہیں ہے۔

مگر حضرت شعیبؑ کی اس تنبیہ (WARNING) کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بالآخر جب ظہور نتائج کا وقت آپہنچا تو

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ (7/91-92)

چنانچہ ایسا ہوا کہ ایک لرزا دینے والی ہولناکی (زلزلہ) نے انھیں آلیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا (ان کا کیا حال ہوا!) گویا وہ ان بستیوں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہی نقصان اور خسارہ اٹھانے والے تھے۔

سورہ عنکبوت میں ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ (29/37)

مدین کے لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا چنانچہ لرزا دینے والی ہولناکی (زلزلہ) نے انھیں پکڑ لیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔

سورہ ہود میں ہے۔

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (11/94-95)

(قوم مدین میں سے) جو لوگ دوسروں کے حقوق میں کمی (ظلم) کیا کرتے تھے۔ انھیں ایک سخت دھماکے نے پکڑ لیا۔ صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے۔ یہ دکھو کہ قوم مدین کے حصہ میں بھی محرومی آئی جو (ان سے پہلے) قوم ثمود کے حصہ میں آچکی تھی۔

لہٰذا اس جرم کو سرسری جرم نہیں سمجھنا چاہیئے۔ قرآن کی نگاہ میں یہ اتنا بڑا جرم ہے جس کی اصلاح کے لئے شعیب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو قوم مدین کی طرف بھیجا گیا تھا اور جب وہ قوم حضرت شعیب کی باتوں پر متوجہ نہیں ہوئی تو بالآخر اس پوری کی پوری قوم کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔

آج کی دنیا میں خدا کے یہ عذاب رسوا کن انقلابات کی شکل میں آتے رہتے ہیں اور آ رہے ہیں۔ انقلاب چین کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور غور کیجئے کہ کیا پاکستان میں ہمارے معاشی حالات اس نقطہ تک نہیں پہنچ چکے کہ کہیں بھی خدا کا آنے والا عذاب کمیونزم یا کسی اور رسوا کن سیلاب کی شکل میں آ کر گھیر لے۔ اور سرمایہ داری اور مفاد پرستی کے اس سفینہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غرق کر دے؟

واضح رہے کہ مفاد پرستی اور سرمایہ داری کا یہ ملعون سفینہ تو غرق ہو گا ہی مگر اس کے ساتھ ہی وہ بہت قیمتی اقدار بھی غرق ہو جائیں گی جن پر انسانیت کا بقا اور ارتقاء منحصر ہے کیونکہ عذاب تو عذاب ہی ہے وہ جب آتا ہے تو سیلاب کی طرح آتا ہے جو خس و خاشاک کے ساتھ ساتھ قیمتی متاع و اسباب کو بھی بہا کر لے جاتا ہے۔

ایک قرآنی معاشرہ اس مفاد پرستانہ ذہنیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم ایسی ذہنیت پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں ہر فرد دوسرے افرادِ معاشرہ کی جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لئے اپنی کوششوں کے ماحصل کو ہر وقت کھلا رکھتے ہیں کیونکہ وہ اس راز کو جانتے ہیں کہ افرادِ معاشرہ درحقیقت اعضائے انسانی کی طرح ہیں۔ ایک عضو اس وقت تک پوری پوری نشوونما حاصل ہی نہیں کر سکتا جب تک دیگر اعضا بھی پوری پوری نشوونما پا رہے ہوں۔ لہٰذا معاشرہ میں کوئی ایک فرد مناسب نشوونما اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک معاشرہ کے دوسرے افراد بھی پورا پورا نشوونما حاصل نہ کر لیں۔ اس لئے انہیں تاکید کی گئی ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (۲/۲۶۷)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جو کچھ تم اپنی کوشش اور سعی سے کماؤ اور اسی طرح جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہو۔ اس میں سے بھی عمدہ اور بہتر چیزیں دوسروں کی نشوونما کے لئے کھلی رکھو۔ خراب چیزوں کی نیت نہ رکھو کہ صرف انہیں کھلا چھوڑ دو۔ حالانکہ ایسی چیزیں تمہیں دی جائیں تو تم خود بھی انہیں لینا پسند نہ کرو بجز اس کے کہ اغماض اور چشم پوشی کے طور پر تم لے لو۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ (جو کچھ تم دیتے ہو اپنے ہی فائدے کے لئے دیتے ہو) یقیناً خدا تمہارے ان صدقوں اور خیراتوں سے بے نیاز ہے اور وہ ستودہ صفات کا مالک ہے

اپنی سعی و عمل کے ماحصل اور زمین سے پیدا ہونے والے خدا کے عطیات کو دوسرے افرادِ معاشرہ کی ضروری نشوونما کے لئے کھلا رکھنا

چاہیئے اور اس میں کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ بہتر سے بہتر چیزیں اُدی جائیں۔ کیونکہ جو کچھ ہم دیتے ہیں وہ خود اپنی ذات (PERSONALIT) کی نشوونما کے لئے دیتے ہیں۔ خود اپنی ذات کی نشوونما کے لئے کچھ دینا اور خراب سے خراب تر چیزیں اس کے لئے منتخب کرنا تقاضائے عقلمندی نہیں ہوسکتا۔ اپنے جسم کی نشوونما کے لئے جب ہم اپنے جسم کو ضروری چیزیں مہیا کرتے ہیں تو بہتر سے بہتر چیزیں اس کے لئے منتخب کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جب ہم دوسرے افرادِ معاشرہ کی جسمانی نشوونما کے لئے جو بالفاظِ دیگر خود اپنی ذات (PERSONALITY) کی نشوونما کی خاطر دیتا ہے تو اس کے لئے بدتر سے بدتر چیزیں منتخب کی جائیں۔ حالانکہ جسم کی نشوونما سے ذات (PERSONALITY) کی نشوونما کو کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اگر بدتر سے بدتر چیزیں ہم پہنچانے سے اپنے جسم کی خاطر خواہ نشوونما نہیں ہوسکتی تو ان چیزوں سے ذات (PERSONALITY) کی نشوونما کس طرح ہوسکتی ہے؟

یہاں اس نکتہ کو بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ انسانی ملکیتوں میں قرآن کریم نے یہاں دو چیزوں کا ذکر کیا ہے ایک تو وہ چیزیں ہیں جنھیں انسان محض اپنی سعی و عمل سے حاصل کرتا ہے۔ اس قسم کی چیزوں کو اس نے مَا كَسَبْتُمْ کے لفظ سے بیان کیا ہے یعنی وہ چیزیں جو انسان اپنے کسب سے حاصل کرتا ہے اور دوسری وہ چیزیں ہیں جن میں صرف انسان کے کسب و ہنر ہی کو دخل نہیں ہوتا بلکہ انسان کے کسب و ہنر سے کہیں زیادہ قدرت کے عطایا کو دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا وہ بلاشرکتِ غیرے خود تنہا مالک نہیں ہوسکتا یہ وہ چیزیں ہیں جو زمین سے حاصل ہوتی ہیں یا بالفاظِ زمین سے جو چیزیں حاصل کی جاتی ہیں ان میں بھی انسان کے سعی و عمل اور اس کی جدوجہد کو کسی قدر دخل ضرور ہوتا ہے۔ مگر اس کی محنت اور کارکردگی سے کہیں زیادہ قدرت کے عطیات کا ان میں دخل ہوتا ہے۔ خود زمین ہی کو لے لیجئے۔ زمین جس سے یہ تمام چیزیں حاصل کی جاتی ہیں، انسان کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ اس کے بعد پانی، ہوا روشنی اور حرارت کا بھی ان چیزوں کی پیدائش میں کافی حصہ ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک چیز بھی انسان کی اپنی پیدا کردہ نہیں ہے۔ انسان صرف اتنا کرتا ہے کہ وہ دانہ ڈالتا ہے اور کھیت کو اس طرح تیار کر دیتا ہے کہ اسے قدرت کے یہ عطیات ملتے چلے جائیں اس لئے قرآن کریم نے مَا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یعنی جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کر دیا ہے۔ یہاں پیدا کرنے کی نسبت انسان کی طرف نہیں کی گئی ہے بلکہ صرف خدا کی طرف کی گئی ہے۔ یہ اندازِ بیان اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ کہیں انسان اس قسم کی پیداوار کو بھی اپنے کسب و ہنر کا نتیجہ قرار نہ دے لے۔ اور اس طرح زمین کی اس تمام پیداوار کا خود مالک بن بیٹھے۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

نیز الْأَرْضُ کے مفہوم میں صرف وہی چیزیں داخل نہیں ہیں جو براہِ راست زمین سے حاصل ہوتی ہیں جیسے غلوں کی فصلیں ترکاریاں اور پھل وغیرہ بلکہ وہ تمام چیزیں بھی داخل ہیں جو بالواسطہ زمین کی پیداوار میں آجاتی ہیں۔ مثلاً کپڑے اور دیگر کارخانوں کی مصنوعات کیونکہ ان کا خام مال بہرحال زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح گویا قرآن کریم نے ان مختصر سے اشارات سے انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دینی چاہی ہے کہ وہ ان چیزوں کو اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ عطیۂ خداوندی سمجھے اور اچھی طرح ذہن نشین کرے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو خدا نے مجھے اپنی زمین سے عطا کی ہیں تاکہ میں ان سے اپنی اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی ضروریات

پوری کر سکیں۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاکُم مِّن قَبْلِ أَن یَأْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْکَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲/۲۵۴﴾

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جو کچھ ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اسے دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کھلا رکھو اس وقت سے پہلے جب کہ نہ خرید و فروخت کام آسکے گی اور نہ ہی کوئی دوستی فائدہ دے سکیگی اور نہ ہی کسی کی سفارش مفید ہو سکے گی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ انکار کرنے والے ہی تو ظلم کرنے والے لوگ ہیں۔

یہاں پھر قرآن کریم نے مِمَّا رَزَقْنَاکُمْ (جو کچھ ہم نے تمہیں رزق دیا ہے) کے الفاظ سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی طرف پچھلی آیت میں مِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُم مِّنَ الْأَرْضِ کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا تھا۔ البتہ اتنے فرق کے ساتھ کہ پچھلی آیت میں انسانی سعی و عمل کے حاصل میں کچھ چیزوں کو کَسَبْتُمْ کہہ کر انسانی سعی و عمل کا نتیجہ تسلیم کیا گیا تھا مگر اس آیت میں یہ بھی تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ ساری چیزوں کو خدا کی طرف سے عطا فرمودہ رزق قرار دیا گیا ہے کیونکہ کون نہیں جانتا کہ جن چیزوں کو انسان محض اپنی سعی و عمل سے حاصل کرتا ہے اس میں بھی کتنے عناصر ایسے ہوتے ہیں جو انسان کے خود اپنے پیدا کردہ نہیں ہوتے بلکہ محض عطیہ قدرت ہوتے ہیں۔ باقی تمام چیزوں کو جانے دیجئے انسان کی عقل اور اس کی صلاحیت کو لیجئے۔ جن پر ان چیزوں کی کسب کا مدار ہے۔ ذرا سوچئے کہ کیا انسان کی عقل اور اس کی صلاحیت خود اسکی پیدا کردہ ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان چیزوں کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صرف انسان ہی کے کسب ہنر کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ اگر ذرا گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کی تہہ میں بھی بے شمار عناصر ایسے ملیں گے جو خدا ہی کے عطا فرمودہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سعی و عمل سے جو کچھ انسان حاصل کرتا ہے اس کو بھی سعی کرنے والے کی ملکیت نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن کہتا یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں حاصل ہوا ہے اس میں دیانت داری کے ساتھ غور کر کے دیکھو کہ تمہاری محنت اور تمہارے عمل کا اس میں کتنا حصہ ہے۔ اور قدرت کے عطیات کا کتنا حصہ ہے۔ جتنا حصہ تمہاری محنت اور تمہارے عمل کا ہو اتنے حصے کے تم مالک ہو اور جتنا حصہ قدرت کے عطیات کا ہے اس کا مالک خدا ہے۔ لہٰذا خدا کا حصہ اس کے بندوں کو اس کی ہدایت کے مطابق دے دو۔

آیت نے اپنے دوسرے حصہ میں اس یوم یا وقت (AGE OR PERIOD) کا ذکر کیا ہے جب نہ خرید و فروخت کام آئے گی اور نہ دوستی اور سفارش کوئی فائدہ پہنچائے گی۔ یہ وقت یا زمانہ آخرت میں بھی ہو سکتا ہے اور اس دنیا میں بھی۔ آخرت میں تو ظاہر ہے مگر اس دنیا میں بھی جب کوئی انقلاب آتا ہے تو بعینہٖ یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس وقت اس قوم کے ہاتھ مال و دولت کو نہ فروخت کر کے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی کی دوستی اور سفارش کام آتی ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء کا انقلاب ابھی ہم پر سے

بہت سوں کو نہیں بھولا ہوگا۔ تقسیم کے ہنگامہ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے اپنی املاک کی بالکل یہی پوزیشن تھی کہ نہ ان کو وہ فروخت کر سکتے تھے اور نہ کسی کی دوستی اور سفارش کام آ سکتی تھی۔ پاکستان بن جانے کے بعد ہمیں آئندہ آنے والے انقلابات سے مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے۔ آج پاکستان میں جو حالات پیدا ہو رہے ہیں وہ ایک ایسے ہی آنیوالے انقلاب کی خبر دے رہے ہیں کہ اس وقت کا "لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ" کا نقشہ سامنے ہوگا۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے ہمیں اپنے معاشرہ کے غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات کے انتظام سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس انقلاب کی آنیوالی گھڑی سے حفاظت کی ایک یہی صورت ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ
مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝ (۹۲/۲)

انقلاب کی اس آنیوالی گھڑی کے تباہ کن اثرات سے صرف وہی لوگ بچ سکیں گے جو سب سے زیادہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے والے ہوں۔ یعنی وہ لوگ جو اپنا مال اس مقصد کے لئے برابر دیتے رہتے ہوں کہ اپنی ذات کا نشوونما حاصل کریں۔ ان پر کسی کا احسان نہیں ہوتا جس کا وہ بدلہ اتار رہے ہوں۔ وہ محض اپنے بلند و بالا نشوونما دینے والے خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے دیتے ہیں۔ اور وہ وقت بہت جلد آ رہا ہے جبکہ وہ اس کے خوشگوار نتائج دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔

اس آیت جلیلہ نے اس مقصد پر بھی روشنی ڈالی ہے جس کے ماتحت مسلمان اپنی محنت کے ماحصل کو دوسرے لوگوں کی ضروریات کے لئے کھلا رکھیں گے۔ اور وہ مقصد خود اپنی ذات (PERSONALITY) کی نشوونما حاصل کرنا ہے۔ تزکیہ کے معنی عربی زبان میں نشوونما پانے کے ہوتے ہیں۔ یَتَزَکّٰی اسی سے بنا ہے جس کے معنی کوشش کر کے نشوونما حاصل کرنا ہیں۔ افراد معاشرہ ایسا کچھ اس وجہ سے نہیں کرتے کہ دوسرے لوگوں کا ان پر کوئی احسان ہوتا ہے جس کا معاوضہ ادا کرنے یا بدلہ اتارنے کی غرض سے وہ ان کو اپنے اموال دیتے ہوں بلکہ محض اپنے نفس اور ذات کی نشوونما کے لئے یعنی بالفاظ دیگر اپنے بلند و بالا پروردگار کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے یہ کچھ کرتے ہیں تاکہ خدا کی صفت ربوبیت کو اپنے اندر جلوہ گر کر سکیں۔ اور وہ اس خصوصیت میں اپنے رب کا پرتو اور عکس بن سکیں۔ یہ سب کچھ وہی لوگ نہیں کرتے جو فارغ البال اور دولت مند ہوتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی یہی کچھ کرتے ہیں جو اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ (باقی دارد)

قرآنی فیصلے
روزمرہ زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث
۳۰۸ صفحات
قیمت:۔ چار روپے

پیشکش برائے طباعت لغات القرآن و مفہوم القرآن

مصنفہ: محترم پرویز صاحب

(کلیتہً ایفا شدہ وعدوں کی تفصیل کی بجائے ان کی مجموعی رقم مندرج ہے)

منجانب بزم ہائے طلوع اسلام

پیش کنندہ	مقام	وعدہ روپے	رقم موصولہ: سابقہ روپے	رقم موصولہ: تا ۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء روپے
جناب محمد اسلم صاحب	قصور	۱۰۰	-	۵۰
جناب سراج الدین صاحب	قادر آباد	۱۰۰	-	-
جناب خداداد خان صاحب	بھگور (کوہاٹ)	۱۰۰	-	۱۰۰
جناب عبدالغفور حسن صاحب	کوئٹہ	۱۵۰	-	-
جناب نظر شاہ حسینی صاحب	منڈی محمد خان	۳۰۰	-	-
جناب نہال خان صاحب	جام پور	۳۰۰	-	-
جناب غلام جیلانی صاحب	شیخوپورہ	۳۰۰	-	-
جناب عبدالجلیل صاحب	بستی قطر	۹۰۰	-	-
جناب محمد رفیق صاحب	ڈنیاں	۳۰۰	-	-
جناب مشتاق احمد صاحب	ڈیرہ غازی خان	۲۵۰	-	-
جناب [illegible] حسین صاحب	[illegible]	۵۰۰	.	.
جناب عبدالحکیم صاحب	مردان	۱۰۰۰	-	-
جناب نصراللہ صاحب	سرگودھا	۵۰۰	-	-
جناب ظفر عباس صاحب	جھنگ	۵۰۰	-	-
جناب مرزا علی احمد صاحب	پشاور	۳۰۰۰	-	-
جناب غلام ربانی صاحب	ٹیکسلا	۵۰	-	-
جناب بخت جمال خان صاحب	سیالکوٹ	۵۰۰۰	۱۰۰۰	-
جناب محمد اکبر صاحب	ڈیرہ منڈی	۳۰۰	۵۰	-
جناب علامت حسین صاحب	بیت آباد	۳۰۰	-	-
جناب محمد اختر صاحب	داہ چاولی	۶۷۵	۱۷۵	-
جناب محمد گل صاحب	لاڑکانہ	۳۰۰	۲۵	۲۵
جناب عطا محمد صاحب	پنجگسی	۳۰۰	-	۱۱۰
جناب مسرور احمد صاحب	[illegible]	۷۰	۳۰	۴۰
جناب زبیر عزیز صاحب	ڈھاکہ	۱۰۰۰	-	-
جناب محمد اسمٰعیل صاحب	گوجرانوالہ	۳۰۰	-	-
جناب عبداللطیف [illegible] صاحب	لاہور	۵۰۰۰	-	-
جناب حکیم [illegible] صاحب بقیہ مرکز [illegible]	لاہور	۲۳۱۰	.	۲۳۱۱
		۲۲۳۰۶	۱۲۸۰	۳۷۱۶
کلیتہً ایفا شدہ وعدے		۵۵۰۰	۵۵۰۰	
میزان		۲۷۸۰۶	۹۴۹۶	

انفرادی پیشکش

پیش کنندہ	مقام	وعدہ کردہ روپے	رقم موصولہ: سابقہ روپے	رقم موصولہ: تا ۲۲ دسمبر ۵۷ء روپے
جناب ڈاکٹر انور علی صاحب	مردان	۵۰۰	-	-
جناب روشن خاں صاحب	کراچی	۲۰۰۰	-	-
جناب ڈاکٹر بقا محمد خان صاحب	مردان	۵۰۰	-	-
جناب ڈاکٹر حفیظ [illegible] صاحب	[illegible]	۱۰۰۰	-	-
جناب فضل کریم صاحب	مردان	۱۰۰	-	-

پیش کنندہ	مقام	وعدہ	سابقہ	تا ۲۲ دسمبر ۵۷ء
جناب حاجی فقیر محمد صاحب	مردان	۱۰۰۰	-	-
جناب عبداللہ خاں صاحب	گوجرہ	۲۰۰	-	۲۰۰
جناب خواجہ رسول صاحب	پنڈدادنخان	۱۰۰	-	-
جناب میر تجمل حسین صاحب	جھنگ	۱۰۰۰	(مقدمہ کے فیصلہ پر)	
جناب طاہر ابرار انصاری صاحب	کوہاٹ	۱۵	-	۱۵
		۶۴۱۵	-	۲۱۵
(انفرادی) کمیٹڈ ایفا شدہ وعدے		۵۶۲۰	۵۶۲۰	
(انفرادی) میزان		۱۲۰۳۵	۵۸۳۵	
میزان کل		۲۹۸۴۱	۱۵،۳۳۱	

تصحیح

طلوعِ اسلام بابت اگست ۱۹۵۷ء میں ایک مضمون بعنوان
"نوعِ انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے"
شائع ہوا تھا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ مضمون "انگلش ڈائجسٹ" بابت مئی ۱۹۵۷ء سے لیا گیا ہے۔ مئی کی جگہ اپریل پڑھیے۔

معذرت

دسمبر ۱۹۵۷ء کے رسالہ کے بعض اجزا اس قدر خراب چھپے کہ انہیں دیکھ کر سخت ندامت ہوئی۔ چونکہ طلوعِ اسلام کا اپنا پریس نہیں اس لئے اس قسم کی خرابیاں ناگزیر ہیں۔ ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ آئندہ کے لئے پریس کو تاکید کی گئی ہے

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

رسید کتب (بہ تشکر)

پرویز

راولپنڈی کنونشن سے واپسی پر میں چند دنوں کے لئے لاہور ٹھہرا۔ اور مختلف احباب سے ملا۔ اسی سلسلہ میں ۲۔ کلب روڈ میں گیا۔ اس عمارت میں بزم اقبال۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ اور مجلس ترقی ادب کے دفاتر ہیں۔ وہاں بھی مختلف احباب سے ملاقات ہوئی۔ ہم وطنوں کے بہترین تحائف کتابیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ رخصت کے وقت، ان اداروں نے اپنی کچھ مطبوعات مجھے تحفۃً دیں۔ جن کے لئے میں شکرگذار ہوں۔ ان کتابوں پر تبصرہ مقصود نہیں۔ لیکن ان کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

بزم اقبال

(۱) (THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA) (از علامہ اقبال)

(۲) (THE LIFE AND THOUGHT OF RUMI)۔ (از افضل اقبال صاحب)

(۳) (IQBAL AND POST-KANTIAN VOLUNTARISM)۔ (از بشیر احمد ڈار صاحب)

(۴) ذکر اقبال (عبدالمجید صاحب سالک)

(۵) فکر اقبال (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب)

(۶) فلسفۂ اقبال۔ (متفرق مضامین کا مجموعہ)

(۷) مکاتیب اقبال۔ بنام خان محمد نیاز الدین خاں صاحب

(۸) تقاریر یوم اقبال (۱۹۵۲ء)

(۹) علامہ اقبال (آثاء مجتبےٰ مینوی صاحب)

(۱۰) منشورات اقبال (ریڈیو پاکستان سے نشر شدہ تقاریر کا مجموعہ)

(۱۱) اقبال اور ملا (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب)

(۱۲) (BIBLIOGRAPHY OF IQBAL) (از عبدالغنی و خواجہ نور الٰہی صاحب)

(۱۳) (THE IMAGE OF THE WEST IN IQBAL) (از مظہر الدین صدیقی صاحب)

(۱۴) اقبال (مجلس کا سہ ماہی مجلہ)

ادارۂ ثقافت اسلامیہ

(۱) الدین یسر۔ (سید محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی)

(۲) زیردستوں کی آقائی (ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری۔ ترجمہ از جعفر شاہ صاحب)

(۳) حکمت رومی (ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم صاحب)

(۴) مسلم ثقافت ہندوستان میں (عبد المجید صاحب سالک)

(۵) (DEVELOPMENT OF ISLAMIC STATE AND SOCIETY) (مظہر الدین صدیقی صاحب)

(۶) (RELIGIOUS THOUGHT OF SAYYID AHMAD KHAN) (بشیر احمد ڈار صاحب)

(۷) ثقافت (ادارہ کا ماہوار مجلہ)

مجلس ترقی ادب

(۱) فلسفۂ شریعت اسلامی (ڈاکٹر صبحی محمصانی۔ ترجمہ۔ مولوی محمد احمد رضوی صاحب)

(۲) نظام معاشرہ اور تعلیم (برٹرنڈ رسل۔ ترجمہ۔ جی۔ اے۔ عزیز صاحب)

(۳) فلسفۂ ہند و یونان (دین محمد شفیقی عبد پوری صاحب)

(۴) تعارف فلسفۂ جدید (سی۔ ایم۔ جوڈ۔ ترجمہ۔ خواجہ آشکار حسین صاحب)

(۵) حکمت قرآن (جرنیل محمود مختار پاشا۔ ترجمہ۔ صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم)

(۶) دولت اقوام جلد اول (آدم سمتھ۔ ترجمہ۔ شیخ عطاء اللہ و ایچ۔ اے۔ فخری صاحب)

(۷) تعارف جدید سیاسی نظریہ (سی۔ ایم۔ جوڈ۔ ترجمہ۔ عبد الحی صاحب)

(۸) غیب و شہود (سر آرتھر اڈنگٹن۔ ترجمہ۔ سید نذیر نیازی صاحب)

(۹) صحیفہ (مجلس کا سہ ماہی مجلہ)

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری رحمہ

علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ

۴۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپے

نقد و نظر

۱۔ سفرِ چین

سال گذشتہ (مئی۔ جون ۱۹۵۶ء میں) پاکستان سے ایک غیر سرکاری وفد جمعیت اسلامیہ چین کی دعوت پر بغرضِ سیاحت چین گیا تھا۔ جس میں (مولانا) عبدالقدوس ہاشمی صاحب بھی شریک تھے۔ ہاشمی صاحب نے اس سفر کا حال اپنی شخصی یادداشتوں کی مدد سے مرتب کیا ہے جسے مکتبہ نہر نیمروز (کراچی) نے شائع کیا ہے۔ سفرنامہ دلچسپ ہے اور کتاب کی صوری حیثیت بھی دیدہ زیب۔ چھوٹی تقطیع۔ ضخامت ۱۵۶ صفحات۔ قیمت۔ مجلد دو روپے۔

۲۔ خدیجہ رضؓ

مصر کی ایک صاحبِ قلم محترمہ بنت توفیق نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی زندگی کے حالات (عربی زبان میں) مرتب کئے تھے۔ اس کتاب کا ترجمہ شیخ محمد احمد صاحب پانی پتی نے نہایت سلیس اور شگفتہ انداز سے کیا ہے۔ اور مرکزِ اشاعت (رام گلی۔ لاہور) نے اسے جاذبِ نظر انداز سے شائع کیا ہے۔ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت۔ مجلد دو روپے۔

جس طرح ہمارے عوام میں یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ جو چیز عربی میں آجائے وہ قابلِ احترام ہوتی ہے۔ اسی طرح اب ہمارے لکھے پڑھے طبقہ میں یہ خیال عام ہو رہا ہے (یا اس کی رَو چلادی گئی ہے) کہ عربی ممالک (مصر۔ بیروت وغیرہ) سے جو کچھ شائع ہوتا ہے وہ سب قابلِ قدر ہوتا ہے۔ اسی رَو کا نتیجہ ہے کہ اب کچھ عرصہ سے ہمارے ہاں مصری کتابوں کے تراجم دھڑا دھڑ شائع ہونے لگے ہیں۔ حالانکہ جس طرح ہمارے ہاں بعض کتابیں اچھی ہوتی ہیں اور دوسری عام طور پر سطحی۔ اسی طرح مصر اور بیروت وغیرہ کی بھی حالت ہے۔ علمی نقطۂ نگاہ سے ضرورت ہے کہ ترجمہ کے لئے وہی کتابیں منتخب کی جائیں جن کی تصنیف یا تالیف میں تحقیق و کاوش سے کام لیا گیا ہو۔ سطحی انداز کی کتابوں کے تراجم سے ہمیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ زیرِ تبصرہ کتاب کی بھی یہی کیفیت ہے۔

۳۔ نقوش۔ مکاتیب نمبر

لاہور سے ایک ادبی رسالہ نکلتا ہے۔ "نقوش"۔ کہتے ہیں کہ وہ ماہنامہ ہے لیکن ہم نے دیکھا نہیں۔ محض سنا ہے۔ دیکھا جب بھی ہے اس کا کوئی نہ کوئی خاص نمبر ہی ہے۔ اس کے ایک خاص نمبر شخصیات کا تعارف اس سے پہلے انہی صفحات پر کرایا جا چکا ہے۔ اب اس کا مکاتیب نمبر زیرِ نظر ہے یہ نمبر دو جلدوں پر مشتمل ہے جن کی مجموعی ضخامت ایک ہزار اڑتالیس (۱۰۴۸) صفحات کی ہے۔ اور قیمت دس روپے۔

شروع میں غالب سے لے کر اختر شیرانی تک چالیس اہلِ قلم حضرات کی [illegible] دی گئی ہیں۔ اس کے بعد قریب ۷۵ صفحات پر مشتمل جناب مہر، ڈاکٹر سید عبداللہ اور [illegible] صاحب وغیرہ کے قلم سے خطوط نگاری کے موضوع پر مقالات ہیں۔ اس کے بعد متعدد مشاہیر کے خطوط کے عکس۔ پھر ڈیڑھ سو سے زیادہ مرحوم ارباب قلم کے ایسے خطوط جو آج تک کہیں طبع نہیں ہوئے۔ آخر میں قریب باسٹھ (زندہ)

حضرات کے خطوط۔ اس کے علاوہ قریب پچاس صفحات پر مشتمل مشاہیرِ ادب کا تعارف (مختصر سوانح حیات) محمد عبداللہ قریشی صاحب کے قلم سے۔ یہ ہیں اس خاص نمبر کے مشمولات۔ محترم مرتب نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس کام پر دو برس صرف کئے۔ ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے اس دو برس میں دن اور رات ایک کر دیئے ہوں گے۔ تب کہیں جا کر یہ انبار جمع ہوا ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس مجموعہ میں اہم خطوط کے ساتھ ایسے مکاتیب بھی شامل ہیں جو "اس جگہ خیریت ہے اور آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں" کی قسم کے ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ اس قدر غیر مطبوعہ خطوط کا ایک جا جمع اور محفوظ کر دینا کارے دارد۔ اس باب میں محترم مرتب فی الواقع داد کے مستحق ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا کچھ سرمایہ اس خاص نمبر میں شامل کیا گیا ہے، اس سے کہیں زیادہ مجموعہ ہنوز مرتب کی زنبیل میں موجود ہے۔ اس لئے کہ "تصریحات" میں کہا گیا ہے کہ زندہ ادیبوں کے خطوط کا ایک الگ نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر مرحومین کے خطوط کی تیسری جلد پیش کی جائے گی۔ چوتھی جلد تمام مکاتیبی سرمایہ کے انتخاب پر مشتمل ہوگی۔

ہم محترم مرتب سے مشورۃً عرض کریں گے کہ وہ آئندہ خطوط کے انتخاب میں زیادہ سختی برتیں اور صرف انہی خطوط کو شائع کریں جن کی افادی حیثیت مسلّم ہو۔ یونہی ضخامت بڑھا دینے سے کیا حاصل؟

DISCOVERY OF PAKISTAN
BY A. AZIZ

کوئی بیس سال ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے (DISCOVERY OF INDIA) لکھ کر شائع کی تھی جس میں برصغیر ہند کے متعدد ادوار تاریخی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی تھی اور یہ بتلایا گیا تھا کہ کون کون سی قومیں ہندوستان میں آئیں، ہر دور میں کیا کیا مذہبی ثقافتی تحریکیں اٹھیں اور کس طرح فروغ پا کر پروان چڑھیں۔ اور پھر کس طرح مائل بہ زوال ہو کر مٹ گئیں اور کس طرح موجودہ ہندو سیاست و ثقافت کی تشکیل ہوئی۔ جب (DISCOVERY OF PAKISTAN) ہمارے ہاتھوں میں آئی تو یہی خیال ہوا کہ مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے اسی نہج پر تاریخ ہند کا جائزہ لیا گیا ہوگا مگر اس دلچسپ کتاب کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ ہے اور نہ ثقافتی بلکہ یہ ایک خاص غرض سے لکھی گئی ہے۔ فاضل مصنف نئے اور قدیم تاریخی لٹریچر کے مطالعہ اور ذاتی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانانِ ہند کی تاریخ انگریز اور ہندو مورخین کے تعصب کا شکار ہو کر بری طرح مسخ ہوئی ہے۔ دیدہ و دانستہ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اور حقائق و شواہد تاریخ سے صرف نظر کرتے ہوئے غلط نتائج مستخرج کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد (گو یہ ضروری نہیں کہ مصنف کی ہر رائے سے اتفاق کیا جائے) یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایک قابل وکیل نے اپنی وکیلانہ قابلیت سے ایک مضبوط مقدمہ تیار کیا ہے۔

فاضل مصنف کی رائے میں آریہ قوم جو برہمنیت کی مترادف ہے ہمیشہ سے ایک دیوِ استبداد کی شکل اختیار کرتی رہی ہے۔ ہزاروں سال پیشتر اس برصغیر کے اصلی باشندوں کو زیر کر کے کس طرح ان کی تہذیب و تمدن کی پامالی کی گئی، کیونکر انہیں جنگلوں میں پناہ لینی پڑی۔ کیونکر ان کی ذات۔ انفرادیت بالکل سلب ہو گئی اور وہ آریائی مذہب قبول کر کے اُن کے معاشرہ میں ایک نہایت ادنیٰ اور

اسفل درجہ پر رہ کر گزر بسر کر لینے اور تمام اعلیٰ حقوقِ انسانی سے محروم ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔ کس طرح اتنی صدیوں کی برہمن کی خدمت گزاری کے بعد بھی وہ صرف آریائی دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے بلیدان کے قابل رہ گئے ہیں۔ کس طرح آریاؤں کی یہ نسلی برتری و تفوق کا تصور اور غیر آریائی اقوام کو مجبور و محکوم بنانے کا جذبہ ان کی ساری تاریخ میں کارفرما نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ راجپوت مرہٹہ اور سکھ جیسی بہادر اور جنگجو اقوام کو بھی انہوں نے اپنے جنگجویانہ مقاصد کے حصول میں استعمال کیا ہے۔ بایں ہمہ غیر آریائی ہونے کی وجہ سے ان کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو دوسری غیر آریائی اقوام کا ہوتا آیا ہے۔

برہمنیت کو غیر آریائی مذاہب کے ساتھ کبھی جنم کا بیر رہا ہے۔ اس میں ایک زبردست لچک پائی جاتی ہے۔ وہ نہایت آسانی سے بڑے سے بڑا دھچکا برداشت کر لیتی ہے اور پھر اپنی فطری عیاری اور ریشہ دوانی سے اپنے فاتحین کے ساتھ گھل مل کر سازش اور چالاکی سے ان کی دیواریں [illegible] ڈال دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ زوال آمادہ ہو کر یا تو ایک کمتر مقام حاصل کر کے آریائی مذہب و سماج ہی کا ایک جزو بن جاتے ہیں۔ یا انہیں دیس نکالا قبول کرنا ہوتا ہے جیسا کہ بدھ مذہب کا حشر ہوا لیکن کوئی ایک ہزار سال ہوئے کہ ان کو ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا جو آریاؤں کے ہم پلہ ہی نہیں بلکہ ایک بے نظیر نظریۂ حیات اور بے مثال جرأت و بسالت کی حامل تھی۔ آریائی برہمن نے محمد بن قاسم سے لے کر احمد شاہ ابدالی کے زمانہ تک صدیوں اس کے خلاف جنگیں کیں مگر اس کی اعلیٰ آئیڈیالوجی اور ہمت و جرأت کے مقابلہ میں ایک نہ چلی۔ اس لئے وہ اپنی فطری عیاری و چالاکی پر اتر آیا۔ ان کے ساتھ گھل مل کر [illegible] [illegible] خلافت جو سندھ سے شروع ہوئی تھی اگر اس کا سلسلہ [illegible] عالمگیر جیسی ہستیاں اگر اس کے تدارک کی طرف متوجہ نہ ہوتیں تو شاید [illegible] برہمنیت پر یہ واضح کر دیا تھا کہ تلوار کے میدان میں اس قوم کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اس لئے [illegible] دیوتا کے [illegible] یہ بنیادی [illegible] جو ہندوستان میں تاجر کے روپ میں [illegible] برہمن [illegible] اور چالاکی سے مراعات حاصل کر لیں [illegible] اور [illegible] انگریزوں کی بدولت [illegible] سلطنت کے ستون متزلزل ہو رہے تھے۔ [illegible] جنوبی ہند کی بعض [illegible] انگریز حکومت [illegible] خواب دیکھنے لگے۔ لیکن خود دکن میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہید اور بنگال میں سراج الدولہ کے جیسے جیالے [illegible] اس قوم کی خاکستر میں بھی چنگاریاں موجود ہیں۔ ان کے استیصال کے لئے [illegible] برہمن کے ساتھ گٹھ جوڑ کا متلاشی تھا۔ چنانچہ [illegible] تھا کہ ہندو [illegible] اپنا شریک بنا لیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی [illegible] کے بعد مسلم اقتدار کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی [illegible] نے نہایت ناسازگار حالات میں ہاری ہوئی بازی جیتنے کے لئے [illegible] بازی لگائی مگر برہمن نے غیر آریائی سکھوں کو بیچ میں ڈال کر [illegible] دوسری کامیابی حاصل کی۔ سکھا شاہی بھی ختم ہوئی۔ اور مسلمانوں کی [illegible] مقاومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد انگریز کی [illegible] کے تصور سے ہندو کی پرانی جبلت پھر زندہ ہو گئی۔ پہلے جہاں اس نے برہمنیت کا

مقدس جولا برہمن کر غیر آریاؤں کو شودر، اچھوت اور نیچ قوم کے زمرہ میں شمار کر کے انھیں اعلیٰ حقوقِ انسانی سے محروم کیا تھا۔ اب اس نے یہ سوچا کہ مسلمانوں کی دس کروڑ قوم کو اپنے عددی تفوق کے دباؤ سے سیاسی و اقتصادی اچھوت بنا دے۔

اس کے بعد کی تاریخ ہماری اپنی دیکھی ہوئی تاریخ ہے۔ برہمنی سامراجیت اس مرتبہ نیشنل کانگریس کا لبادہ پہن کر میدان میں آئی۔ اس کے اغراض و مقاصد اور اس کا نصب العین اب بھی "منو" کے دان آشرم ہی پر مبنی تھا صرف اس فرق کے ساتھ کہ "منوجی" نے برہمن کی تقدیس کا سہارا لیا تھا اور اب ہندو کانگریس عددی برتری کی بنا پر مسلمانوں اور غیر آریاؤں کے سر پر مسلط ہو کر رام راج قائم کرنا چاہتی تھی۔ مسلمانوں میں افتراق و انتشار تھا۔ ایک خاص گروہ جو تسبیح و تہلیل اور مذہبی مکاتب میں درس و تدریس میں مشغول تھا۔ انگریز کو باہر نکالنے اور مشترکہ قومیت کی بنا ڈال کر اپنی دانست میں کانگریس کے ساتھ حکومت میں سہیم و شریک ہو سکنے کی آرزو میں برہمنی دام تزویر میں جا پھنسا۔ فاضل مصنف نے انیسویں صدی کے آخری دور سے سنہ ۱۹۴۷ء تک کی مسلم اور ہندو سیاست پر کافی روشنی ڈالی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اس اثنا میں برہمن نے تھوڑے عرصہ کے لئے ہی سہی، جو نمونہ رام راج کا پیش کیا وہ مسلمانوں کو یہ احساس دلانے کے لئے کافی تھا کہ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت سے مسلمانانِ ہند کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو مسلمانانِ اندلس کا ہوا۔ وہ بیدار ہو گئے اور انھوں نے علامہ اقبال کے اشارات کی بنا پر قائد اعظم کی قیادت میں تحریکِ پاکستان کی شکل میں اپنے مدافعانہ شعور کا مظاہرہ کیا۔

یہ ہے مختصر الفاظ میں فاضل مصنف کے خیال میں پاکستان کی داستان۔ بظاہر حالات یہ تجزیہ صحیح بھی معلوم ہوتا ہے اور ایک ماہر وکیل کی قوتِ وکیلانہ سے اس کی تائید میں کثیر شہادات بھی پیش کی ہیں لیکن اس وضاحت کو دہرانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا تخیل محض عالمِ اضطراب کی مدافعانہ کوشش نہیں تھی۔ مسلمان ایک خاص آئیڈیالوجی کا حامل ہے اور ایک مخصوص نظریہ حیات کا۔ اسی نظریہ حیات (اقبال کے تصور کے مطابق) پاکستان کے تخیل کی بنیاد ہے۔ اس نظریہ کے مطابق مسلمان اسلامی زندگی اسی صورت میں بسر کر سکتا ہے جب اس کی اپنی مملکت ہو اور اس مملکت میں اسے اس امر کی پوری پوری آزادی اور قوت حاصل ہو کہ وہ اپنی حیاتِ اجتماعیہ کو قرآنی قالب میں ڈھال سکے۔ یہ چیز نہ کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت ممکن ہے اور نہ ہی غیر مسلموں کے ساتھ مل کر مشترکہ حکومت میں۔ اس لئے اگر ہندو یا برہمن مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک نہ بھی کرتا جس کا تذکرہ فاضل مصنف نے کیا ہے، تو بھی ان مسلمانوں کے نزدیک جو اسلام کے منشاء یا تقاضا پر نگاہ رکھتے ہیں، پاکستان کا مطالبہ اور حصول ناگزیر تھا۔ ہندو کی تنگ نظری اور مخاصمت تحریکِ پاکستان کے لئے مہمیز بھی، اس کی بنیاد نہیں تھی۔

جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں، فاضل مصنف نے اپنا مقدمہ محمود وکیلانہ انداز میں پیش کیا ہے لیکن ان کی [illegible] بعض گوشے بہت کمزور ہیں اور ان کی وکیلانہ قابلیت بھی اس کمزوری کو چھپا نہیں سکی۔ مثلاً سر سید کے متعلق مصنف [illegible] نظر [illegible] ہے [illegible] محترم اور باعظمت ہستیوں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو [illegible] سے نکال کر [illegible] امید کی روشنی سے روشناس کرایا [illegible] اس وقت قوم کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف [illegible] دوسری طرف فرسودہ مذہبی روایات و نیچ زندگی جو قوم کو تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی تھی [illegible]

ہند کا وہ ظلمتہ الکبریٰ تھا جس نے ان کے افقِ زندگی پر کامل تاریکی پھیلا دی تھی۔ سر سید نے ان حالات میں اس گرتی ہوئی قوم کو تھاما اور انھیں اپنی کھوئی ہوئی تاریخی عظمت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کمرِ ہمت باندھنے پر آمادہ کیا۔ ان کے متعلق فاضل مصنف کا بیان واضح اور صاف نہیں۔ ایک طرف وہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے انیسویں صدی کے آخر میں مجاہدین اور مصلحین اور ان کی تحریک کی کمر توڑ ڈالی۔ اور اپنی قوم کو انگریزی کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لینے پر آمادہ کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ جانباز مجاہدین کی تحریک قطعاً ناکام ہو چکی تھی۔ انھوں نے اپنی تحریک شروع کرتے وقت انگریزی اقتدار اور برہمن سامراجیت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا۔ اور ان کی کوششیں قوم کو خودکشی کے غار کی طرف لے جا رہی تھیں اور آخر صورتِ حال یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ

تباہی اور بربادی سامنے۔ تباہی اور بربادی پیچھے اور اس جہنم سے نکلنے کے سب راستے بند۔

یہ وہ وقت تھا جب سر سید نے مسلمانوں کو ایک نئی راہ اختیار کرنے کے لئے پکارا۔ یعنی یہ کہ وہ جدید علوم و فنون سے بہرہ مند ہو کر اپنے معاشرہ کی اصلاح کی جانب مائل ہوں اور اس طرح اس جدوجہد کی تیاری کے لئے آمادہ ہو جائیں جو بالآخر پاکستان کے مطالبہ اور اسکے حصول پر منتج ہوئی۔ مصنف نے خود اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ سر سید نے سب سے پہلے اندازہ لگایا کہ نئی تبدیلیوں کی روشنی میں قلوب و اذہان کی از سرِ نو تطہیر و تربیت کی ضرورت ہے۔ قبل اس کے کہ انگریزوں کے تسلط سے مسلمانوں کو آزاد کرانے کی سعی کی جائے، حقیقی اسلام پر جو پردے پڑ گئے ہیں انھیں دور کیا جائے اور مسلمانوں کو پھر آزادانہ زندگی بسر کرنے کا موقع ملے۔ اس حد تک یقیناً مجاہدین اور نئے مصلحین (جماعتِ سر سید) میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان حقائق کی موجودگی میں مصنف کی یہ رائے کہ سر سید نے تحریکِ مجاہدین کی کمر توڑ ڈالی اور قوم کو انگریزوں کی غلامی پر آمادہ کر دیا، کچھ عجیب سی نظر آتی ہے۔

بہرحال، بہ حیثیتِ مجموعی کتاب دلچسپ ہے اور اس میں فاضل مصنف نے جس قدر مواد اکٹھا کر دیا ہے اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

کتاب قریب قریب چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور شیخ غلام علی اینڈ سنز (کشمیری بازار) لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت مجلد بارہ روپے آٹھ آنے۔

برقِ طور

از:- پرویز

بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی بصیرت افروز اور عبرت انگیز داستان۔

قیمت - چھ روپے۔

رابطۂ باہمی

مختلف بزموں کی روئداد مختصر الفاظ میں حسبِ ذیل ہے

۱۔ مردان

۱۔ مولوی ...... صاحب ٹینگروہ، ریاست سوات کو باقاعدہ طور سے پرچہ طلوع اسلام کے مطالعہ کا شوق تھا، لیکن مالی حالت کمزور تھی۔ اور پرچہ کا باقاعدگی سے مطالعہ نہیں کر سکتے تھے بزم مردان نے اُن کے نام سے چندہ ادارے کو بھیجا اور اُن کے نام ایک سال کے لئے پرچہ جاری کرلیا۔

(۲) کراچی سے ایک صاحب " الف معرفت طلوع اسلام، کراچی" نے مفت پرچہ حاصل کرنے کے لئے طلوع اسلام بابت اکتوبر میں استدعا کی۔ بزم نے اُن کے نام سے ایک سال کا چندہ ادارہ کو بھیجا اور اُن کے نام ایک سال کے لئے پرچہ جاری کرنے کو لکھا۔

(۳) ایک طالب علم مسمی ...... سیکنڈ ایر ایم بی بی ایس خیبر میڈیکل کالج پشاور کو بزم نے مبلغ ۴۰/- روپیہ برائے اخراجات کالج برائے ماہ ستمبر روانہ کئے۔ اس سے قبل ڈیڑھ سال تک طالب علم مذکور کو ضرورت کے مطابق ۲۰/- روپے ماہوار سے لے کر ۴۰/- روپے ماہوار تک بزم ادا کرتی رہی ہے۔ آئندہ کے لئے بھی بزم نے ارادہ کیا ہے کہ طالب علم مذکور کی مالی مدد اس وقت تک کی جائے گی جب تک کہ وہ ڈاکٹری کا آخری امتحان پاس نہ کرے۔

(۴) بزم نے اپنے دار المطالعہ میں اپنے قارئین کے لئے ماہ ستمبر سے باقاعدگی سے مندرجہ ذیل پرچے علاوہ دیگر عام روزانہ پرچوں کے جاری کر لئے ہیں۔

۱۔ ماہنامہ "نور" کراچی (شیعہ حضرات کی نمائندگی کرتا ہے) ۲۔ ہفتہ وار "الاعتصام" لاہور (اہل حدیث) ۳۔ ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی (اہل سنت والجماعت) ۴۔ ہفتہ وار "ایشیا" لاہور (جماعت اسلامی) ۵۔ ہفتہ وار "لیل و نہار" لاہور (علمی اور ادبی پرچہ ہے) ۶۔ ان کے علاوہ روزانہ مشہور اخبارات بھی دار المطالعہ میں موجود رہتے ہیں۔ ۷۔ محترم پرویز صاحب کی تصنیفات بھی دار المطالعہ میں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ یہ سب اخراجات بزم برداشت کرتی ہے۔

۲۔ ڈیرہ غازی خاں

قرار پایا کہ بزم طلوع اسلام کی طرف سے ایک ریڈنگ روم شہر کے مرکزی حصے میں قائم کیا جائے جس میں ۱۔ نوائے وقت، امروز، پاکستان ٹائمز کو فی الحال فراہم کیا جائے۔ نیز ہر اس پیشکش کو قبول کیا جائے جو اراکین بزم اور پبلک کی جانب سے ہو۔

یہ بھی طے پایا کہ ۱۔ پبلک لائبریری ۲۔ لائبریری گورنمنٹ ہائی اسکول ۳۔ لائبریری اسلامیہ ہائی اسکول کے لئے طلوع اسلام

کی ایک ایک کاپی ماہ دسمبر ۱۹۵۷ء سے فراہم کی جائے۔ اخراجات بزم برداشت کرے گی۔

لاہور (۱) بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے "لغات القرآن" کی اشاعت کے سلسلہ میں فی الحال مبلغ ۵۰۰/- (پانچ سو روپے) کی ادارہ طلوع اسلام کراچی کو پیشکش کی جائے۔ اور یہ رقم اکتوبر ۱۹۵۸ء تک بلا اقساط ادا کردی جائے۔

(۲) ہر ماہ کے دوسرے جمعہ کے روز باقاعدہ جنرل میٹنگ بلائی جایا کرے۔ جس میں شرکت کے لئے ہر ماہ کے پہلے جمعہ کو بذریعہ خط ہر ممبر کو اطلاع دی جایا کرے۔

(۳) بزم کے ہر ممبر پر لازم ہے کہ وہ ہر ماہ کم از کم (علیٰ وجہ البصیرت) ایک ممبر ضرور بنائے۔

(۴) ایک "سٹڈی سرکل" قائم کیا جائے جس کا اجتماع ہر جمعہ کے روز بعد از نماز ہوا کرے۔ جس میں محترم پرویز صاحب کے کسی ایک مضمون کو پڑھ کر افہام و تفہیم کے لئے تبادلہ خیالات کیا جائے۔

پشاور۔صدر بزم کی تشکیل نو کے سلسلہ میں تگ و تاز کی گئی۔ تمام ممبروں کے فارموں پر دستخط کرانے اور چندہ مقرر کرنے کا کام ہو رہا ہے۔ بزم کی میٹنگ باقاعدہ ہوتی رہتی ہے جس میں طلوع اسلام کا لٹریچر پڑھ کر احباب کو سنایا جاتا ہے۔

پشاور شہر پچھلے مہینے راولپنڈی سے محترمی نعمت اللہ صاحب اپنے ٹیپ ریکارڈ بمعہ ٹیپ کے جس پر محترمی پرویز صاحب کی کونشن کی تقاریر ٹیپ کی گئی تھیں۔ ترجمان بزم طلوع اسلام پشاور شہر کی استدعا پر خود لاکر اراکین بزم طلوع اسلام کو سنائی اور پھر اپنا یہ ٹیپ ریکارڈ ترجمان ضلع پشاور کے پاس چھوڑ گئے۔ اس میں تین تقریریں جناب محترمی پرویز صاحب کی ان کے دلکش اور عام فہم زبان میں ٹیپ کی ہوئی ہیں۔

ان تقاریر کی نشر و اشاعت بذریعہ اخبارات کی گئی اور پھر مختلف مجالس میں یہ ٹیپ کی ہوئی تقاریر سنائی گئیں۔ یہاں تک کہ اتوار ۱۵ دسمبر کو مردان جاکر جناب ڈاکٹر ایم خان کے دولت کدہ پر ایک سنجیدہ مجلس میں سنائی گئیں۔ یہ تقریریں یہاں پر کافی مقبولیت حاصل کر رہی ہیں۔

کراچی جدید ہدایات کے مطابق بزم کی تشکیلِ نو کی گئی۔ محمد اسلام صاحب کو نمائندہ منتخب کیا گیا۔

(۲) مستقبل میں کام کرنے کے لئے ایک پروگرام مرتب کیا گیا۔ مختلف شعبوں کے لئے سب کمیٹیاں بنائی گئیں جن کے ذمے متعین کام لگا دیئے گئے۔ تجویز یہ ہے کہ قرآن کریم جس معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے اس کے مثبت اور تعمیری پہلوؤں کا تعارف چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کی صورت میں کرایا جائے۔ طلوع اسلام کی پیش کردہ قرآنی فکر کی روشنی میں سادہ سلیس اور عام فہم انداز میں۔

(۳) بزم کی مجالس ہر اتوار کو پرویز صاحب کے درس قرآن کے بعد منعقد ہوتی رہیں۔

ادارہ طلوع اسلام کیطرف سے منظور کردہ بزموں کی فہرست

اصولی ہدایات کی دفعہ (۸) کے مطابق حسب ذیل بزموں کو مسلمہ بزہائے طلوع اسلام تصور کیا جائے گا۔ (یہ فہرست

۱۹ دسمبر تک موصول شدہ اطلاعات کی بنا پر مرتب کی گئی ہے۔ مزید اندراجات آئندہ ماہ کئے جائیں گے۔ م

مقام	نمائندہ

ابتدائی بزمیں

مقام	نمائندہ
۱۔ کراچی	محمد اسلام صاحب
۲۔ مردان	ڈاکٹر رضا محمد خاں صاحب
۳۔ موضع پنج منڈ۔ ضلع مردان	نمائندہ کا انتخاب ہنوز نہیں ہوا۔
۴۔ موضع احمد آباد تحصیل صوابی۔ ضلع مردان۔	
۵۔ موضع چار باغ۔ تحصیل صوابی۔ ضلع مردان	میاں سردار الدین صاحب
۶۔ پشاور شہر	مرزا علی احمد صاحب (مرزا صاحب ضلع بزم کے ترجمان بھی منتخب ہو چکے ہیں لیکن جب تک کوئی دوسرا نمائندہ منتخب نہیں ہوتا اس وقت تک مرزا صاحب ہی نمائندگی کے فرائض بجا لائیں گے)
۷۔ پشاور۔ صدر	ایم بدر الدین صاحب
۸۔ لائلپور	ایم محمد اشرف صاحب
۹۔ شیخوپورہ	محمد اسماعیل صاحب۔
۱۰۔ چک ۸ شمالی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا	نصر اللہ خاں صاحب
۱۱۔ لاہور	عبد اللطیف نظامی صاحب

ضلع کی بزمیں

مقام	ترجمان
۱۔ مردان	عبد الحکیم خاں صاحب
۲۔ پشاور	مرزا علی احمد صاحب
۳۔ لائلپور	چوہدری محمد عبد اللہ صاحب (گوجرہ)

اسلامی معاشرت از پرویز (تیسرا ایڈیشن زیرِ طبع) مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے لئے قرآن کے ارشادات۔ عورتوں، بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے بہترین کتاب۔ قیمت دو روپے

انتہائی کم قیمت پر بہترین کپڑا

96000

- اعلیٰ درجہ کی سفید شرٹنگ
- مرغا چھاپ سفید شرٹنگ
- دل چھاپ ساٹن ڈرل وغیرہ وغیرہ

میسرز علی محمد اسماعیل 39 A/S مولجی جیٹھا مارکیٹ۔ کراچی

نیز

اسٹال:- مل، ونرز ریٹیل کلاتھ مارکیٹ، پرانی نمائش بندر روڈ ایکسٹنیشن کراچی سے بھی مل سکتا ہے

داؤد کاٹن ملز لمیٹڈ کراچی

چند بصیرت افروز کتابیں

جشن نامے

ہم ہر سال جشن جمہوریہ منانے کی تیاریاں کرتے ہیں مگر یہ جشن اسی طرح منایا جائے گا جیسے ہم ہر سال مناتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے جشنوں کی تبسم فشاں درد انگیز تصویر ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

مزاج شناس رسول

پیشوایانہ ڈکٹیٹرشپ کی راہیں کس طرح ہموار کی جا رہی ہیں اسے سمجھنے کے لئے اس کتاب کو پڑھیئے تاکہ جماعت اسلامی کا صحیح موقف آپ کے سامنے آ جائے۔ قیمت چار روپے

قرآنی فیصلے

روزمرہ زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن ہمیں کیا راہنمائی دیتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ دین کے متعلق پُر از معلومات اور حقیقت کشا کتاب ہے۔ ۴۰۸ صفحات قیمت چار روپے

قرآنی دستور پاکستان

اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت، علماء اور جماعت اسلامی کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ ۲۲۴ صفحات۔ قیمت دو روپے

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں جناب پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات کا مجموعہ۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۸۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

نوادرات (از:۔ علامہ اسلم جیراجپوری)

علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ بڑا سائز ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت (از:۔ پرویز)

(تیسرا ایڈیشن زیر طبع) مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے لئے قرآن کے ارشادات۔ بالخصوص عورتوں بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اس سے بہتر کتاب آپ کو نہیں ملے گی۔ قیمت دو روپے

اسلام میں قانون سازی کا اصول از پرویز

اس میں پاکستان کے علاوہ بعض دیگر ممالک اسلامیہ کے بلند پایہ مقننین کے افکار کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں قانون شریعت کا کام کس نہج پر ہونا چاہیئے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے غیر مجلد دو روپے

(محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا)

ملنے کا پتہ ناظم ادارہ طلوع اسلام ۱۵۹/۳۔ ایل (پی۔ ای۔ سی ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی ۲۹

اچھی عادتیں بڑی دولت ہیں!

کیا آپ وقت کے پابند ہیں؟

کیا آپ صفائی کا خیال رکھتے ہیں؟

کیا آپ ہمیشہ تپاک برتتے ہیں؟

کیا آپ اصول صحت کے پابند ہیں؟

کیا آپ روپیہ بھی بچاتے ہیں؟

ہمیں اپنی زندگی کو صرف گذارنا نہیں بلکہ سدھارنا اور سنوارنا لازم ہے. عمدہ اخلاق عادات ایسا فریضہ ہیں جو آپ اپنا انعام ہے. اچھی عادتوں سے کردار بنتا ہے جو خود بڑی دولت ہے، اور بچت کی عادت سے قیمت بھی بن جاتی ہے.

پس اندازی اُن عمدہ عادات میں سے ہے جن سے دلی اطمینان بھی حاصل رہتا ہے اور آئندہ خوش حالی کی ضمانت بھی. خصوصاً جب کہ آپ اپنی بچت سیونگز سرٹیفکیٹ میں لگائیں. آپ جو رقم اِن تمسکات میں لگاتے ہیں اُس کی ضامن حکومت ہے اور اِس سے ملکی بہبود کے کاموں میں مدد ملتی ہے. اِس کے علاوہ آپ کو اِس پر اتنا معقول منافع ملتا ہے کہ کسی اور مد سے نہیں ملتا. یعنی دس برس میں دس روپے کے ۱۴ ۳/۴ چودہ روپے ۱۲ آنے بن جاتے ہیں.

بچت کی عادت ڈالئے

کفایت میں برکت ہے

پاکستان سیونگ سرٹیفکیٹ میں روپیہ لگاتے

پیشگی خریداران

یہ سلسلہ ۱۹۵۳ء میں شروع ہوا تھا۔ گذشتہ چار سال میں اکثر و بیشتر زرِ پیشگی کے عوض مطبوعات دی جا چکی ہیں اور متعلقہ کھاتوں میں یا تو کچھ باقی ہی نہیں رہا ہے یا اس سے خرچ زائد ہو چکا ہے۔ زائد خرچ کی ادائیگی کے لئے فرداً فرداً یاددہانی کرائی جا چکی ہے۔

زرِ پیشگی سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں قابلِ قدر مدد ملی ہے اس لئے اس سلسلہ کا جاری رکھنا بہمہ وجوہ مستحسن ہے۔ توقع ہے کہ جن احباب کا زرِ پیشگی ختم ہو چکا ہے وہ مزید ایک سو روپے یکمشت۔ یا باقساط ارسال فرما کر اس مفید کام میں حصہ لیتے رہیں گے۔

قرآنی فکر سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب جو تاحال پیشگی خریدار نہیں بنے ہیں ان کی توجہ اس مفید سلسلے کی طرف منعطف کرائی جاتی ہے تاکہ وہ اس میں جلد از جلد شامل ہو جائیں۔

پیشگی خریدار بن کر آپ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں معتد بہ امداد کچھ خرچ کئے بغیر دیتے ہیں۔ پیشگی خریدار بننے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ایک سو روپیہ کی رقم ادارہ کے پاس جمع کرا دیں۔ ادارہ اپنی مطبوعات، جنہیں آپ لینا پسند کریں آپ کو گھر بیٹھے پہنچاتا رہے گا اور محصولڈاک بھی اپنے پاس سے ادا کرے گا۔ اس طرح آپ کو اپنی جمع کردہ روپے کی کتابیں بلا محصولڈاک مل جائیں گی۔ اس میں ہمارا فائدہ صرف اتنا ہے کہ ہمیں کچھ رقم پیشگی مل جاتی ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

۱۵۹/۳-ایل (پی۔ ای۔ سی۔ ہاؤسنگ سوسائٹی) کراچی ۲۹